

طائل طبع اول

الَّذِينَ آتُوكُمُ الْقُرْآنَ لِئَلَّا يَكُونُوا فِي الْأَرْضِ مُشْرِكُونَ وَلِئَلَّا يَكُونُوا
وَيَقُولُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَسْلَمَ وَهُوَ مُرْسَلٌ
أَكَمَ قُلْ كُفَرْ بِإِيمَانِكُمْ وَمَوْعِدُنَا عِلْمُ الْكِتَابِ - الْفَاتِحَة
الْحَمْدُ لِلَّهِ
کریم رسالہ جس کا نام ہے

ضرورۃ الامام

صرف ڈیڑھ دن میں طبیعت ہو کر

مطبع

ضیاء الاسلام قادیانی میں

جیسا کہ قیمت ۲۰ مخصوص علاوہ جلد ۰۰ ۔

وَمَنْ فَضَلَ الَّذِينَ حَسِبُوكُمْ مُحْكَمًا

ضرورۃ الامام

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ احْسَنُوا

اما بعد واضح ہو کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کرے اسکی موت جاہلیت کی موت ہونگی ہے۔ یہ حدیث ایک متفق کے دل کو امام الوقت کا طالب بنانے کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جاہلیت کی موت ایک ایسی جامع شفاقت ہے۔ جس سے کوئی بدی اور بدجنتی باہر نہیں۔ سو بوجب اس نبوی وصیت کے ضروری ہو۔ کہ ہر ایک حق کا طالب امام صادق کی تلاش میں لگا رہے۔

یہ صحیح نہیں ہے کہ ہر ایک شخص جس کو کوئی خواب پچی اوسے یا الہام کا دروازہ اُسپر کھلدا ہو۔ وہ اس نام سے موسوم ہو سکتا ہے۔ بلکہ امامی حقیقت کوئی اور امر جامع اور حالت کا ملہ تامہ ہے۔ جس کی وجہ سے آسمان پر اس کا نام امام ہے؟ اور یہ تو ظاہر ہے کہ صرف تقویٰ اور طہارت کی وجہ سے کوئی شخص امام نہیں کھلا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔ پس الگہر ایک

وَحدَثَنَا عبدُ اللهٌ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ
مَعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَاتَ بِخِيرٍ أَمَّا مَاتَ مِيتَةً
جَاهِلِيَّةً صَفَرٌ ۖ جَلْدٌ ۖ مَسْنَدٌ أَحْمَدٌ وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدٌ وَالترْمِذِيُّ وَابْنُ خَرِيمَةَ
وَابْنُ حَبَّانَ وَصَحَّحَهُ مِنْ حَدِيثِ الْمَعَارِثِ الْأَشْعُرِيُّ بِلِفْظِ مَاتَ مَاتَ وَلَيْسَ عَلَيْهِ
إِمَامٌ جَمَاعَةً فَإِنْ مَوْتَهُ مَوْتَةُ جَاهِلِيَّةٍ وَرِوَاةُ الْحَاكِمِ مِنْ حَدِيثِ بْنِ عَمْرُو
مِنْ حَدِيثِ مَعَاوِيَةَ وَرِوَاةُ الْبَزَارِ مِنْ حَدِيثِ أَبْنِ عَبَّاسٍ۔

متقى امام ہے۔ تو پھر تمام مومن متقى امام ہی ہوتے۔ اور یہ امر منشاء ایت کے بخلاف ہے۔ اور ایسا ہی موجب نص قرآن کریم کے ہر ایک مسلم اور صاحب روایا صادقہ امام نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ قرآن کریم میں عام مونین کے لئے یہ بشارت ہے کہ **لَهُمُ الْبُشْرُى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا**۔ یعنی دُنیا کی زندگی میں مونین کو یہ نعمت طے گی کہ اکثر پنج خواہیں انہیں آیا کریمگی یا پسے الہام ان کو ہوا کریمگے۔ پھر قرآن شریعت میں ایک دوسرے مقام میں ہے۔ **إِنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ** **رَبَّنَا اللَّهُ تَعَالَى أَسْتَقَامُوا أَتَذَلَّلُ عَلَيْكُمُ الْمُلْكُ كَمَا لَا تَخَافُوا وَلَا تَخَرُّنُو**۔ یعنی جو لوگ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور پھر استقامت اختیار کرتے ہیں فرشتہ ان کو بشارت کے الہامات سُناتے رہتے ہیں اور انکو قتل دیتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو بذریعہ الہام تسلی دی گئی۔ لیکن قرآن ظاہر کہ رہا ہے کہ اس قسم کے الہامات یا خواہیں عام موننوں کے لئے ایک رُوحانی نعمت ہے۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورت ہوں۔ اور ان الہامات کے پانے سے وہ لوگ امام وقت سے مستغنى نہیں ہو سکتے اور اکثریہ الہامات انکے ذاتیات کے متعلق ہوتے ہیں اور علوم کا افاضہ انکے ذریعہ سے نہیں ہوتا۔ اور نہ کسی عظیم الشان تحدی کے لائق ہوتے ہیں اور بہت سے بھروسے کے قابل نہیں ہوتے بلکہ بعض وقت ٹھوکر کھانے کا موجب ہو جاتے ہیں۔ اور جب تک امام کی دستگیری افاضہ علوم نہ کرے۔ تب تک ہرگز ہرگز خطرات سے امن نہیں ہوتا۔ اس امر کی شہادت صدر اسلام میں ہی موجود ہے۔ کیونکہ ایک شخص ہو تو قرآن شریعت کا کاتب تھا۔ اسکو بسا اوقات نور نبوت کے قرب کی وجہ سے قرآنی آیات کا انسوقت میں الہام ہو جاتا تھا جیکہ امام یعنی نبی علیہ السلام وہ آیت لکھوانا چاہتے تھے۔ ایک دن اُس نے خیال کیا کہ مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا فرق ہے۔ مجھے بھی الہام ہوتا ہے اس خیال سے وہ ہلاک کیا گیا۔ اور لکھا ہو کہ قرنے بھی اسکو باہر پھینک دیا۔ جیسا کہ بلעם ہلاک کیا گیا۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ کو بھی الہام ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنے تین کچھ چیزوں سے بھجا۔ اور امامت حق جو آسمان کے خدا نے زمین پر قائم کی تھی اس کا شریک بننا نہ چاہا۔ بلکہ ادنے چاکر

اور غلام اپنے تیس قرار دیا۔ اصل خدا کے فضل نے انکو نائب امامت حقہ بنادیا۔ اور اویس قرنی کو بھی الہام ہوتا تھا۔ اُس نے ایسی مسلکی اختیار کی کہ افتاب نبوت اور امامت کے سامنے آنا بھی سودا ادب خیال کیا۔ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بارہائیں کی طرف مونہہ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اجدارِ رحمن من قبلِ الیمن۔ یعنی مجھے میں کی طرف سے خدا کی خوشبو آتی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اویس میں خدا کا لوار اترتا ہے۔ مگر افسوس کہ اس زمانہ میں اکثر لوگ امامت حقہ کی ضرورت کو نہیں سمجھتے۔ اور ایک سچی خواب آئنے سے یا چند الہامی فقروں سے خیال کر لیتے ہیں کہ ہمیں امام الزمان کی حاجت نہیں۔ کیا ہم کچھ کلم ہیں؟ اور یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ ایسا خیال سراسر معصیت ہے۔ کیونکہ جب کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام الزمان کی ضرورت ہر ایک صدی کیلئے قائم کی ہو تو اور صاف فرمادیا ہے کہ جو شخص اس حالت میں خدا تعالیٰ کی طرف آئیگا کہ اُس نے اپنے زمانہ کے امام کو شناخت رکیا وہ اندھا آئیگا اور جا پہنچتی کی ہو تو پرے گا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ہمیں یا خواب میں کا استثنای نہیں کیا۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ہمیں ہو یا خواب میں ہو۔ اگر وہ امام الزمان کے سلسلہ میں داخل نہیں ہے تو اس کا خالقہ خطرناک ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اس حدیث کے مخاطب تمام مسلم اور مسلمان ہیں۔ اُن میں ہر ایک زمانہ میں ہزاروں خواب میں اور ہمیں بھی ہوتے آئے ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ امتت محمدیہ میں کسی کروڑا یا بندے ہوئے جن کو الہام ہوتا ہوگا۔ پھر اسوا اسکے حدیث اور قرآن سے یہ ثابت ہو گا کہ امام الزمان کے وقت میں اگر کسی کو کوئی سچی خواب یا الہام ہوتا تو تو وہ درحقیقت امام الزمان کے نور کا ہی پرتو ہوتا ہو۔ جو مستعد دلوں پر پڑتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جب دُنیا میں کوئی امام الزمان آنا ہو تو ہزاروں افراد اسکے ساتھ آتے ہیں اور آسمان میں ایک صورت انبساطی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور انتشارِ حادثت اور نور اینیت ہو کر نیکہ مستعدادیں جاگ اٹھتی ہیں۔ پس جو شخص الہام کی استعداد رکھتا ہے اسکو سلسلہ الہام شروع ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص نکلا و خور کے ذریعہ

سے وینی تلقنہ کی استعداد رکھتا ہے۔ اسکے تدریب اور سوچنے کی قوت کو زیادہ کیا جاتا ہے اور جسکو عبادت کی طرف رغبت ہو اسکو تعبد اور پرستش میں لذت عطا کی جاتی ہے۔ اور جو شخص غیر قوموں کے ساتھ مباحثات کرتا ہے اسکو استدلل اور امامت جو جت کی طاقت بخشی جاتی ہے۔ اور یہ تمام باتیں درحقیقت اسی انتشار و حائیت کا نتیجہ ہوتا ہے جو امام الزمان کے ساتھ آسمان سے آتی اور ہر ایک مستعد کے ول پر نازل ہوتی ہے۔ اور یہ ایک عام قانون اور سنتِ الٰہی ہے جو ہمین قرآن کریم اور احادیث صاحب کی رہنمائی سے خلوم نہوا احمد ذاتی تجارتی اس کا مشاہدہ کرایا ہے تو مگر مسیح موعود کے زمانہ کو اس سے بھی بڑھ کر ایک خصوصیت ہے، اور وہ یہ کہ پہلے نبیوں کی کتابوں اور احادیث نبویہ میں لکھا ہے کہ تیجہ ہو وہ کے وقت یہ انتشار نہ رہیت اس حد تک ہو گا کہ عورتوں کو بھی الہام شروع ہو جائیگا اور

۵

نابالغ بچے نبوت کریں گے۔ اور عوام الناس رُوح القدس سے بولیں گے۔ اور یہ سب کچھ مسیح موعود کی رو حائیت کا پرتوہ ہو گا۔ جیسا کہ دیوار پر آفتاب کا سایہ پڑتا ہے تو دیوار منور ہو جاتی ہے۔ اوناگر چونہ اور تعلی سے سفیدی کی گئی ہو تو پھر تو اور کبھی زیادہ سمجھتی ہے۔ اور اگر اسمیں آئینے نصیحتے گئے ہوں۔ تو انکی روشنی اسقدر بڑھتی ہے کہ آنکھ کو تاب نہیں رہتی۔ مگر دیوار دعویٰ نہیں کر سکتی کہ یہ سب کچھ ذاتی طور پر مجھ میں ہے۔ کیونکہ سورج کے غرد بکے بعد پھر اس روشنی کا نام و نشان نہیں رہتا۔

پس ایسا ہی تمام الہامی انوار امام الزمان کے انوار کا انکھاں ہو تاہے۔ اور اگر کوئی قسم کا پھیر نہ ہو اور خدا کی طرف سے کوئی ابتلاء نہ ہو تو سید انسان جلد اس دلیقتو کو سمجھ سکتا ہے۔ اور خدا انکھاں اگر کوئی اس الٰہی راز کو نہ سمجھے اور امام الزمان کے ظہور کی نہیں سنکر اس سے تعلق نہ پکڑے تو پھر اقل ایسا شخص امام سے استغنا نہیں کر سکتا ہے۔ اور پھر استغنا سے اجنبیت پیدا ہوتی ہے اور پھر اجنبیت سے سو و نظر طہنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور پھر سو و نظر سے عداوت پیدا ہوتی ہے اور پھر پھر عداوت سے نعوذ باللہ سلب ایمانی تک نوبت پہنچتی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت ہزاروں را ہیب ملهم اور اہل کشف تھے اور نبی آخر الزمان کے قرب ظہور کی بشارت سنایا کرتے تھے لیکن جب انہوں نے امام الزمان کو جو خاتم الانبیاء تھے۔ قبول نہ کیا۔

تو خدا کے غضب کے صاعقه نے انکو ہلاک کر دیا اور انکے تعلقات خدا تعالیٰ سے بکھلی ٹوٹ گئے۔ اور جو کچھ اتنے بارے میں قرآن شریف میں لکھا گیا اسکے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ دہی ہیں۔ جسکے حق میں قرآن شریف میں فرمایا گیا وہ کافوٰ من قبل یَسْتَقْتَبُونَ اس آیت کے یہی معنے ہیں کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ سے نصرت دین کیلئے مدد مانگا کرتے تھے اور انکو الہام اور کشف ہوتا تھا اگرچہ وہ یہودی چینوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی خدا تعالیٰ کی نظر سے گرگئے تھے۔ لیکن جب عیسائی مذہب بوجمیل خلوق پرستی کے مرگیا اور ابھی حقیقت اور نورانیت نہ رہی تو مسوت کے یہود اس گناہ سے بری ہو گئے کہ وہ عیسائی کیوں نہیں ہوتے۔ تب ان میں دوبارہ نورانیت پیدا ہوئی۔ اور اکثر ان میں سے صاحب الہام اور صاحب کشف پیدا ہوئے لگا اور انکے رامبوں میں صد اچھے حالات کے لوگ تھے اور وہ ہمیشہ اس بات کا الہام پاٹے تھے کہ بنی آنذمان اور امام درون جلد پیدا ہو گا اور اسی وہی سے بعض ربانی علماء خدا تعالیٰ سے الہام پاک طاک عرب میں آرہے تھے۔ اور انکے بچپن کو خبر تھی کہ عنقریب آسمان سے ایک نیا سلسلہ قائم کیا جائیگا۔ یہی معنے اس آیت کے ہیں کہ یک رُفُوت کہ کما یغیرِ فوتَ ابْنَاءَهُمْ۔ یعنی اس نبی کو وہ ایسی صفائی سے پچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بچوں کو۔ مگر جب کہ وہ نبی ہو گوئی اپنے خدا کا سلام ظاہر ہو گیا۔ تب خود یہی اور تعصیت نے اکثر یہود پرستے کا مقام ہوا اور سخت ڈرنے کا مقام ہے۔ خدا تعالیٰ کسی مونی کی بعثم کی طرح بدعا بقت نہ کرے ہی تو اس امت کو فتنوں سے بچا اور یہودیوں کی نظریں ان سے دور کر۔ آمين ثم آمين۔

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے قبائل اور قومیں اس غرض سے بنا لیں کہ تا اس جسمانی تمدن کا ایک نظام قائم ہو اور بعض کے بعض سے رشتہ اور تعلقات ہو کر ایک دوسرے کے ہمدرد اور معاون ہو جاویں۔ اسی غرض سے اس نے سلسلہ نبوت اور امامت قائم کیا ہے کہ تا امّت محمدیہ میں رُوحانی تعلقات پیدا ہو جائیں اور بعض بعض کے شفیع ہوں۔

اب ایک ضروری سوال یہ ہے کہ امام الزمان کس کو کہتے ہیں اور اسکی علماء کیا ہیں اور اسکو دوسرے

میہوں اور خواب مینوں اور اہل کشف پر ترجیح کیا ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ امام الدیمان اس شخص کا نام ہے کہ جس شخص کی روحانی تربیت کا خدا تعالیٰ متولی ہو کر اسکی فطرت میں ایک ایسی امامت کی روشنی رکھ دیتا ہے کہ وہ سارے جہان کی معمولیوں اور فاسیوں سے ہر ایک رنگ میں مباحثہ کر کے انکو مغلوب کر لیتا ہے۔ وہ ہر ایک قسم کے واقعی در حقیقی اعتراضات کا خدا سے قوت پا کر ایسی عمدگی سے جواب دیتا ہے کہ آخر ماننا پڑتا ہے کہ اسکی فطرت دنیا کی صلح کا پورا اسلام لیکر اس مسافرخانے میں آئی ہے۔ اسلئے اسکو کسی دشمن کے سامنے شرمند ہوتا نہیں پڑتا۔ وہ روحانی طور پر محترمی فوجوں کا سپہ سالار ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ اسکے ہاتھ پر دین کی دوبارہ فتح کرے۔ اور وہ تمام لوگ جو اسکے چہنڈے کے نیچے آتے ہیں انکو بھی اعلیٰ درجہ کے قویٰ بخشے جاتے ہیں اور وہ تمام شر انظہر صلح کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اور وہ تمام علوم جو اعتراضات کے اٹھانے اور اسلامی خوبیوں کے بیان کرنے کیلئے ضروری ہیں اسکو عطا کئے جاتے ہیں۔ اور باس ہمہ چونکہ اللہ تعالیٰ جانشنا ہے کہ اسکو دنیا کے بے ادبیں اور بدز بالوں سے بھی مقابلہ پڑیں گا۔ اسلئے اخلاقی قوت بھی اعلیٰ درجہ کی اسکو عطا کی جاتی ہے اور یعنی نوع کی سچی ہمدردی اسکے دل میں ہوتی ہے اور اخلاقی قوت سے یہ مراد نہیں کہ ہر جگہ وہ خواہ خواہ نزفی کرتا ہے۔ کیونکہ یہ تو اخلاقی حکمت کے اصول کے برخلاف ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جس طرح تنگ طرف آدمی دشمن اور بے ادب کی بالوں سے جل کر اور کباب ہو کر جلد مزارج میں تغیر پیدا کر لیتے ہیں اور انکے پسہرہ پر اس عذاب الیم کے جس کا نام غضب ہے۔ نہایت مکروہ طور پر آثار ظاہر ہو جاتے ہیں اور طیش اور استعمال کی باتیں بے اختیار اور بے محل منہ سے نکلتے چلے جاتے ہیں۔ یہ حالت اہل اخلاق میں نہیں ہوتی۔ ہاں وقت اور محل کی مصلحت سے کبھی محالجہ کے طور پر سخت لفظ بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ لیکن اس استعمال کے وقت نہ ان کا دل جلسنا ز طیش کی صورت پیدا ہوتے ہوئے منہ پر جھاگ آتی ہے ہاں کبھی بتاؤ ٹھصہ رعب دکھلانے کیلئے خلا ہر کر دیتے ہیں۔ اور دل آرام اور انبساط اور سرور میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ حضرت علیہ السلام نے اکثر سخت لفظ اپنے مخاطبین کے حق میں استعمال کئے ہیں جیسا کہ سور کشتے۔ بے آیمان۔ بدکار وغیرہ وغیرہ لیکن ہم نہیں کہ سکتے

کنفوز باندھا اپ اخلاق فاضل سے بے بہرہ تھے۔ کیونکہ وہ تو خود اخلاق سکھلاتے اور نرمی کی تاکید کرتے ہیں۔ بلکہ یہ لفظ جو اکثر آپ کے مئہ پر جاری رہتے تھے یعنی غصہ کے جوش اور مجنونانہ طبیعت سے ہمیں نکلتے تھے بلکہ نہایت آرام اور سُہنڈے دل سے اپنے محل پر یہ الفاظ چسپاں کئے جاتے تھے۔ غرض اخلاقی حالت میں کمال رکھنا اماموں کیلئے لازمی ہو۔ اور اگر کوئی سخت لفظ شوتہ مزاجی اور مجنونانہ طبیعہ سے نہ ہو۔ اور عین محل پر چسپاں اور عنده ضرورت ہو۔ تو وہ اخلاقی حالت کے منافی نہیں ہو۔ اور یہ بات بیان کر دینے کے لائق ہو کہ جن کو خدا تعالیٰ کا ہاتھا مامن بنتا ہے۔

۵

اُن کی فطرت میں ہی امامت کی قوت رکھی جاتی ہو۔ اور جس طرح الہی فطرت نے بوجب ایت کلمہ اعطیٰ کل شدی خلق کے ہر ایک پرندہ پرند میں پہنچے سے وہ قوت رکھ دی ہو جسکے بلے میں خدا تعالیٰ کے علم میں یہ تھا کہ اس قوت سے اسکو کام لینا پڑے گا۔ اسی طرح ان نفوس میں جن کی نسبت خدا تعالیٰ کے ازلی علم میں یہ ہو کہ ان سے امامت کا کام یا جاویگا منصب امامت کے مناسب حال کی رو حافی ملکے پہنچے رکھے جاتے ہیں۔ لہجہ جن لیاقتیوں کی آئندہ ضرورت پڑے گی۔ اُن تمام لیاقتیوں کا سچ اُن کی پاک سرشت میں بویا جاتا ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ اماموں میں بنی نوع کے فائدے اور فیض رسانی کے لئے مندرجہ ذیل قوتوں کا ہونا ضروری ہے:-

اول۔ قوت اخلاق۔ چونکہ اماموں کو طرح طرح کے ادب ارشاد اور عقول اور بذان لوگوں سے واسطہ پڑتا ہو۔ اسلئے ان میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقی قوت کا ہونا ضروری ہوتا ان میں طبیعہ نفس اور مجنونانہ جوش پیدا نہ ہو۔ اور لوگ اتنے کی فیض سے محروم نہ رہیں۔ یہ نہایت قابل شرم بات ہو کہ ایک شخص خدا کا دوست کہلا کر چھرا خلاقِ رزیلہ میں گرفتار ہو۔ اور درشت بات کا ذرہ بھی محل نہ ہو سکے۔ اداد جو امام زمان کہلا کر ایسی کچی طبیعت کا ادمی ہو کہ ادنیٰ ادنیٰ بات میں مٹہ میں جھاگ آتا ہو۔ اسکیں نیلی سولی ہوتی ہیں۔ وہ کسی طرح امام زمان نہیں ہو سکتا۔ لہذا اسپر ایت اُنکَ لَعْلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ کا پُردہ سے طور پر صادق آجانا ضروری ہے۔

دوم۔ قوت امامت۔ جس کی وجہ سے اس کا نام امام رکھا گیا ہو۔ یعنی نیک بالوں

اور نیک اعمال اور تمام الہی معارف اور محبت الہی میں آگے بڑھنے کا شوق یعنی روح الحکیمی کسی شخصان کو پسند نہ کرے اور کسی حالت ناقصہ پر راضی نہ ہو۔ اور اس باستثنہ کو در پیش اور دل کھیل پڑے کہ وہ ترقی سے روکا جائے۔ یہ ایک فطری قوت ہے جو امام میں ہوتی ہے اور اگر ایسا اتفاق بھی پیش نہ آوے کہ لوگ اسکے علم اور معارف کی پیدائی کریں اور اسکے نزدیک بچھے چلیں تب بھی وہ بمحاذ اپنی فطری قوت کے امام ہو۔ عرض یہ دیقید معرفت یاد رکھنے کے لائق ہو کہ امامت ایک قوت ہے کہ اس شخص کے ہمراہ نظرت میں رکھی جاتی ہے جو اس حامی کیلئے ارادہ الہی میں ہوتا ہے۔ اور اگر امامت کے لفظ کا ترجمہ کریں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ قوت پیشوی۔ عرض یہ کوئی عارضی منصب نہیں جو بچھے سے لگ جاتا ہے۔ بلکہ جس طرح دیکھنے کی قوت اور سننے کی قوت اور سمجھنے کی قوت ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ آگے بڑھنے اور الہی امور میں سب سے اول درجہ پر رہنٹھکی قوت ہے۔ اور اہنی معنوں کی طرف امامت کا لفظ اشارہ کرتا ہے۔

پیسری قوت بسطت فی العلم یہو جو امامت کیلئے ضروری اور اس کا خاصہ لازمی ہے چونکہ امامت کا مفہوم تمام حقائق اور معارف اور لوازم محبت اور صدق اور خافیں آگے بڑھنے کو چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے تمام دوسرا قوی کو اسی خدمت میں لگادیتا ہے اور ربِ ذریثی علمائی دعائیں ہر دم مشغول رہتا ہے اور پہلے سے اسکے مدارک اور جو اس ان امور کے لئے جو مرقاب ہوتے ہیں۔ اسی لئے خدال تعالیٰ کے فضل سے علوم الہیہ میں اسکی بسطت عنایت کی جاتی ہے اور اسکے زمانہ میں کوئی دوسرا ایسا نہیں ہوتا جو قرآنی معارف کے جانشی اور کمالات افاضہ اور اتمام محبت میں اسکے پر ابر ہے۔ اسکی رائے صائب دوسرا دل کے علوم کی تصحیح کرتی ہے۔ اداگر وی حقائق کے بیان میں کسی کی رائے اسکی رائے کے مقابلہ ہوتا ہے اسکی طرف ہوتا ہے کیونکہ علوم حقد کے جانشی میں سور فرات اسکی مدد کرتا ہے۔ اور وہ سور ان چمکتی ہوئی شعاعوں کے ساتھ دوسرا دل کے نہیں دیا جاتا۔ ذا لذ فضل اللہ یوْتَیْهُ مَن يَشَاءُ۔ پس جس طرح ہر غنی اندھوں کو اپنے پرلوں کے نیچے لیکر انکو پہنچنے بنتا ہے اور پھر پھول کو پرلوں کے نیچے رکھ کر اپنے چہرے اسکے اندر

پہنچا دیتی ہے۔ اسی طرح شیخ اپنے علوم روحاںیہ سے صحبت یا یوں کو علمی رنگ سے زینگیں کرتا رہتا ہے اور لقین اور معرفت میں بڑھاتا جاتا ہو مگر دوسرے طبقوں اور زادہ دل کیلئے اس قسم کی بسطت علمی ضروری نہیں کیونکہ نوع انسان کی تربیت علمی انکے پسروں نہیں کی جاتی۔ اور ایسے زادہ دل خوب بینوں میں الگ چھپ نقصان علم و دہرات باقی ہو تو چندال جائے اعتراض نہیں کیونکہ وہ کسی کشتی کے طاح نہیں ہیں۔ بلکہ خود طاح کے محتاج ہیں۔ یا انکو ان فضولیوں میں نہیں پڑنا چاہیے کہ یہ اس روحاںی طاح کی کچھ حاجت نہیں رکھتے۔ ہم خود ایسے اور ایسے ہیں۔ اور ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ضرور انکو حاجت ہے جیسا کہ عورت کو مرد کی حاجت ہے۔ خدا نے ہر ایک کو ایک کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ پس جو شخص امامت کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ اگر وہ ایسا دعویٰ زبان پر لائیگا تو وہ لوگوں سے اسی طرح اپنی ہنسی کرایٹا جیسا کہ ایک نادان ولی نے بادشاہ کے روپ و ہنسی کرائی تھی۔ اور قصہ یوں ہے کہ کسی شہر میں ایک زادہ تھا جو نیک بخت اور قی تھا۔ مگر علم سے بہرہ تھا۔ اور بادشاہ کو اسپر اعتقاد تھا اور وزیر بوجراں کی بے علمی کے اس کا معتقد نہیں تھا۔ ایک مرتبہ وزیر اور بادشاہ دونوں اسکے ملنے کیلئے گئے اور اُس نے محض فضولی کی راہ سے اسلامی تاریخ میں دخل دیکر بادشاہ کو کہا کہ اسکندر رومی بھی اس امت میں بڑا بادشاہ گزرا ہے۔ تب وزیر کو نکتہ چینی کا موقعہ طا اور فی الفور کہنے لگا کہ دیکھنے حضور فقری صاحب کو علاوہ کمالات دلت کے تاریخ دافی میں بھی بہت کچھ دخل ہو۔ سو امام الزماں کو منافقوں اور خام سالموں کے مقابل پر اسقدر الہام کی ضرورت نہیں جبقدر علمی قوت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ حضرت پرہر ایک قسم کے اعتراض کرنیوالا ہوتے ہیں۔ طبابت کے رو سے بھی، ہدیت کے رو سے بھی، طبعی کے رو سے بھی، جغرافیہ کے رو سے بھی اور کتب مسلمہ اسلام کے رو سے بھی اور عقليٰ بنابری اور نقليٰ بنابری کی جامی بھینہ اسلام کھلانا ہو۔ اور اس باغ کا خدا تعالیٰ کی طرف سے با غباں مٹھرا یا جاتا ہو۔ اور اسپر فرض ہوتا ہو کہ ہر ایک اعتراض کو دوڑ کرے اور ہر ایک معتبر حق کامنہ بند کر دے۔ اور صرف یہ نہیں بلکہ یہ بھی اس کا فرض ہوتا ہو کہ نہ صرف اعتراضات دُور کرے بلکہ اسلام کی خوبی اور خوبصورتی بھی دُنیا پر ظاہر کر دے۔ پس

ایسا شخص نہیا بیت قابل تنظیم اور کبیریت احمد کا حکم لکھتا ہے کیونکہ اسکے وجود سے اسلام کی زندگی ظاہر ہوئی ہے اور وہ اسلام کا فخر اور تمام بندوں پر خدا تعالیٰ کی جنت ہوتا ہے۔ اور کسی کیلئے جائز نہیں ہوتا کہ اس سے جدائی اختیار کرے۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے ارادہ اور اذن سے اسلام کی عدت کا مُرثی اور تمام مسلمانوں کی ہمدردی اور کمالاتِ دینیہ پر دائرہ کا طرح محيط ہوتا ہے۔ ہر ایک اسلام اور کفر کی کشی گاہ میں قمری کام آتا ہے اور سماں کے انفاس طبیبہ کفر کش ہوتے ہیں۔ وہ بطور کل کے اور باقی سب اُس کے جو ہوتے ہیں ہے

اوپر کل و تو چو جزئی نے کلی
تو ہلاک استی اگرا نے بجلی

پوچھی قوت عزم ہے جو امام الزمان کیسے ضروری ہے اور عزم سے مراد یہ ہے کہ کسی حالت میں دشمنا ملا
اور نہ نا ایمید ہونا اور نہ ارادہ میں سُست ہو جانا۔ بسا اوقات نبیوں اور مرسلاوں اور محمد رسولوں کو جو امام الزمان ہوتے ہیں لیسے ابتلاء میں آجاتے ہیں کہ وہ بظاہر ایسے مصائب میں چھپن جاتے ہیں کہ گویا خدا تعالیٰ نے انکو چھوڑ دیا ہے اور اُنکے ہلاک کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ اور بسا اوقات انکی وحی اور الہام میں فترت واقع ہو جاتی ہے کہ ایک مدت تک کچھ وحی نہیں ہوتی اور بسا اوقات ان کی بعض پیشگوئیاں ابتلاء کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہیں اور حواس پر انکا صدق نہیں ہلتا اور بسا اوقات انکے مقصدوں کے حصول میں بہت کچھ وقت پڑھاتی ہے۔ اور بسا اوقات وہ دُنیا میں متروک اور مخدول اور ملعون اور مردود کی طرح ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک شخص جو انکو گال دیتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ گویا اس بڑا ثواب کا کام کر رہا ہوں۔ اور ہر ایک ان سے نظرت کرتا اور کہ اہمیت کی نظر سے دیکھتا ہے اور نہیں چاہتا کہ سلام کا بھی چواہتے۔ لیکن ایسے وقتوں میں انکا عزم آزمایا جاتا ہے۔ وہ ہرگز ان آزاد مائشوں سے بیدل نہیں ہوتے اور سنپتھ کام میں سُست ہوتے ہیں یہاں تک کہ نصرت الہی کا وقت آجاتا ہے۔

پانچوں قوت اقبال علی اللہ ہے جو امام الزمان کیلئے ضروری ہے۔ اور اقبال علی اللہ سے مراد یہ ہے کہ لوگ مصیبتوں اور بستاؤں کے وقت اور نیز اُسوقت کے جب سخت و شمن سے مقابلہ

آپنے اور کسی نشان کا مطالب ہو۔ اور یا کسی فتح کی ضرورت ہو۔ اور یا کسی کی ہمدردی و اجرات سے ہو۔ خدا تعالیٰ کی طرف بھکتے ہیں۔ اور پھر ایسے بھکتے ہیں کہ انکے صدق اور اخلاص اور محبت اور وفا اور عزم لاینیق کے بھری ہوتی دعائیں سے ملا۔ اعلیٰ میں ایک شور پڑ جاتا ہے۔ اور انکی محیت کے تصریحات سے آسمانوں میں ایک در دنگ غلغله پیدا ہو کر طانک میں اضطراب ڈالتا ہے۔ پھر جس طرح شدت کی گئی کی انہا کے بعد رسانی کی ابتداء میں آسمان پر باول نمودار ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح انسنے اقبال علی اللہ کی حرارت یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سخت توجہ کی گئی آسمان پر کچھ بنانا شروع کر دیتی ہے اور تقدیریں بدلتی ہیں اور الہی ارادے اور نگہ پکڑتے ہیں یہ انشک کو قضاۓ و قدر کی حکمتی ہوا میں چلنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اور جس طریق پر کا مدد خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر سہیل کی دو ایجھی خدا تعالیٰ کے حکم سے ہی اس مادہ کو باہر نکالتی ہے۔ ایسا ہی مردانِ خدا کے اقبال علی اللہ کی تاثیر ہوتی ہے۔

آن دعائے شیخ نے چوں ہر دعا سست

فانی است دوستِ خدا سست

اور امام الزمان کا اقبال علی اللہ یعنی اسکی توجہ الی اللہ تمام اولیاء اللہ کی نسبت زیادہ تر تیز اور سرین الاشر ہوتی ہے جیسا کہ مولیٰ علیہ السلام اپنے وقت کا امام الزمان تھا اور بلعم اپنے وقت کا ولی تھا جسکو خدا تعالیٰ سے مکالمہ اور حق اطبلہ نصیب تھا۔ اور نیز مستحب الدعوات تھا۔ لیکن جب مولیٰ علیہ السلام سے بلعم کا مقابلہ آپڑا۔ تو وہ مقابلہ اس طرح بلغم کو ہلاک کر گیا کہ جس طرح ایک تیز تنوار ایک دھم میں سر کو پدن سے مجاہد اور دیتی ہے اور بد بعت بلغم کو چونکہ اس فلاسفی کی بغرنہ تھی کہ گو خدا تعالیٰ کسی سے مکالمہ کر سے اور اسکو اپنا پیارا اور برگزیدہ ٹھہراوے مگر وہ چونکہ فضل کے پانی میں اس سے ٹھہر کر ہے۔ جب اس شخص سے اس کا مقابلہ ہو گا۔ تو بیشک یہ ہلاک ہو جائیگا۔ اور اس وقت کوئی الہام کام نہیں دیگا اور نہ مستحب الدعوات ہونا کچھ مدد دیگا اور یہ تو ایک بلغم تھا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اسی طرح ہزاروں بلغم ہلاک ہوئے جیسا کہ یہودیوں کے

راہب عیسائی دین کے مرلنے کے بعد اکثر ایسے ہی تھے۔

چھٹے کشوف اور الہامات کا سلسلہ ہے جو امام الزمان کیلئے ضروری ہوتا ہے۔ امام الزمان اکثر بذریعہ الہامات کے خدا تعالیٰ سے علوم اور حقائق اور معارف پاتا ہے۔ اور اسکے الہامات دوسروں پر قیاس نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ کیفیت اور کیمیت میں اس اعلیٰ درجہ پر ہوتے ہیں جسکے بعد کر انسان کے لئے ممکن نہیں۔ اور اسکے ذریعہ سے علوم حکمتی ہیں اور قرآنی معارف معلوم ہوتے ہیں اور دینی عقد سے اور معوصلات حل ہوتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کی پیشگوئیاں جو مختلف قوموں پر اثر ڈال سکیں ظاہر ہوئی ہیں۔ غرض جو لوگ امام الزمان ہوں انکے کشوف اور الہام صرف ذاتیات تک محدود نہیں ہوتی۔ بلکہ نصرت دین اور تقویت ایمان کیلئے نہایت مفید اور مبارک ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ ان سو نہایت صفائی سے مکالمہ کرتا ہے اور انکی دعا کا جواب دیتا ہے۔ اور بسا اوقات سوال اور جواب کا ایک سلسلہ منعقد ہو کر ایک ہی وقت میں سوال کے بعد جواب اور پھر سوال کے بعد جواب اور پھر سوال کے بعد جواب ایسے صفا اور لذیذا فضیل الہام کے پیرا یہ میں شروع ہوتا ہے کہ صاحب الہام خیال کرتا ہے کہ گویا وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اور امام الزمان کا ایسا الہام نہیں ہوتا کہ جیسے ایک کلمخ انداز درپرده ایک کلام پھینک جلتے اور بھاگ جاتے۔ اور معلوم نہ ہو کہ وہ کون تھا۔ اور کہاں گیا۔ بلکہ خدا تعالیٰ ان سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور کسی قدر پر دہلپتے پاک اور روشن جپڑہ پر سے جو نور حصن ہوا تاریتا ہے اور یہ کیفیت دوسروں کو میسر نہیں آتی۔ بلکہ وہ تو بسا اوقات اپنے تیسیں ایسا پلتے ہیں کہ گویا ان سے کوئی مٹھا کر رہا ہے۔ اور امام الزمان کی الہام پیشگوئیاں اظہار علی الخیب کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ یعنی غیب کو ہر ایک پہلو سے اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ چاہیک سوار گھوڑے کو قبضہ میں کرتا ہے اور یہ قوت اور انحصار اسلامی انکے الہام کو دیجا جاتا ہے کہ اُنکے پاک الہام شیطانی الہامات سے مشتبہ نہ ہوں اور تاریڈوسروں پر چوتھ ہو سکیں۔ وہ شخص ہو کر شیطانی الہامات ہونا حق ہے اور بعض نامہم سا لکھ لوگوں کو ہو اکرتے ہیں۔ اور حدیث انفس مجھی ہوتی ہے جسکو اضفاغاث احلاہم کہتے ہیں۔ اور جو شخص اس سے انکار کرے۔ وہ

قرآن شریف کی مخالفت کرتا ہے۔ کیونکہ قرآن شریف کے بیان سے شیطانی الہام ثابت ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک انسان کا ترکیب پورے اور کامل طور پر نہ ہوتا تک اسکو شیطانی الہام ہو سکتا ہے۔ اور وہ آیت علیٰ مکمل افلاکِ اشیم کے نیچے آسکتا ہے۔ مگر پاکوں کو شیطانی وسوسہ پر بلا توقف مطلع کیا جاتا ہے۔ افسوس کے بعض پادری صاحبان نے اپنی تصنیفات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت اس واقعہ کی تفسیر میں لجباً انکو ایک پہاڑی پر شیطان لے گیا۔ اس قدیم جرأت کی ہے کہ وہ لکھتے ہیں۔ یہ کوئی خارجی بات نہ تھی جس کو دُنیا دیکھتی اور جس کو یہودی بھی مشاہدہ کرتے۔ بلکہ یہ تین مرتبہ شیطانی الہام حضرت مسیح کو ہوا تھا۔ جس کو انہوں نے قبول نہ کیا۔ مگر انجلیں کی ایسی تفسیر سننے سے ہمارا تو بدن کا نپٹا ہے کہ مسیح اور پھر شیطانی الہام۔ ہاں اگر اس شیطانی لغتنگو شیطانی الہام نہ مانیں اور یہ خیال کریں کہ درحقیقت شیطان نے مجھم ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی تھی تو یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اگر شیطان نے جو بُنا سانپ ہے فی الحقيقة اپنے تین جسمانی صورت میں ظاہر کیا تھا۔ اور جو خارجی کے ساتھ آدمی بتکر یہودیوں کے ایسے متبرک معبد کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا جس کے ارد گرد صد ہا آدمی رہتے تھے۔ تو ضرور تھا کہ اسکے دلیل ہے کیا ہے ہزاروں آدمی بھی ہو جلتے۔ بلکہ چال میئے تھا کہ حضرت مسیح اواز مار کر یہودیوں کو شیطان و کھلادیتے جس کے وجود کے کئی فرقے منکرتے۔ اور شیطان کا وکھلا دینا حضرت مسیح کا ایک نشان ہھترتا۔ جسکے بہت آدمی ہدایت پاتے اور رومنی سلطنت کے معزز ہمبدہ دار شیطان کو دیکھ کر اور پھر اُس کو پرواز کرتے ہوئے مشاہدہ کر کے ضرور حضرت مسیح کے پیرو ہو جاتے مگر ایسا نہ ہوا۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ یہ کوئی روحاں مکالمہ تھا جسکو دوسرے لفظوں میں شیطانی الہام کہہ سکتے ہیں مگر میرے خیال میں یہ بھی آتا ہے کہ یہودیوں کی تابوں میں بہت سے شریان انسانوں کا نام بھی شیطان رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اسی محاورہ کے لحاظ سے کیا ہے کہ ایک اپنے بزرگ حواری کے جس کو انجلیں میں اس واقعہ کی تحریر سے چند سطر ہی پہلے بہشت کی کنجیاں دی گئی تھیں۔

شیطان کہا ہے۔ پس یہ بات بھی قرین قیاس ہو گکہ کوئی یہودی شیطان اور مُحَمَّدؐ کے طور پر
حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس آیا ہو گا۔ اور آپ نے جیسا کہ پیوس کا نام شیطان رکھا۔ اسکو بھی
شیطان کہہ دیا ہو گا۔ اور یہودیوں میں اس قسم کی مشارتیں بھی تھیں۔ اور ایسے سوال کرنا یہودیوں
کا خاصہ ہے۔ اور یہ بھی اختال ہو کہ یہ سب قضیہ ہی جھوٹ ہو جو محمدؐ ایا دھوکہ کھاتے کو لکھ دیا
ہو۔ کیونکہ یہ انجلیں حضرت مسیح کی انجلیں نہیں ہیں اور نہ انکی تصدیق شدہ ہیں۔ بلکہ حواریوں نے
یا کسی اور نے اپنے خیال اور عقل کے موافق لکھا ہے۔ اسی وجہ سے ان میں باہمی اختلاف بھی
ہے۔ لہذا کہہ سکتے ہیں کہ ان خیالات میں بعض لکھنے والوں سے غلطی ہو گئی۔ جیسا کہ غلطی ہوئی کہ
انجلیں نویسوں میں سے بعض نے گمان کیا کہ گویا حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے ہیں۔ ایسی غلطیاں
حواریوں کی سرشنست میں تھیں۔ کیونکہ انجلیں ہمیں بخوبی تیار ہے کہ انکی عقل باریک نہ تھی۔ انکے حالات
ناقصہ کی خود حضرت مسیح گواہی دیتے ہیں کہ وہ فہم اور دراثت اور عملی قوت میں بھی کمزور تھے۔

بہر حال یہ سچ ہے کہ پاکوں کے دل میں شیطانی خیال مستکم نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی تیرتا ہو تو
سرسری دسو سدنے کے دل کے نزدیک آبھی جائے تو جلد تروہ شیطانی خیال دور اور دفع کیا
جاتا ہے در اتنے پاک دامن پر کوئی داع نہیں لگتا۔ فرق ان شریعت میں اس قسم کے دسو سد کو جو
ایک کم رنگ اور نانچتہ خیال سے مشاہدہ ہوتا ہے۔ طائفت کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اور
لغتِ عرب میں اس کا نام طائفت اور طوف اور طیف اور طیف بھی ہے۔ اور اس دسو سد کا
دل سے نہایت ہی کم تعلق ہوتا ہے گویا نہیں ہوتا۔ یا یوں کہو کہ جیسا کہ دُور سے کسی درخت
کا سایہ بہت ہی خفیت سا پڑتا ہے۔ ایسا ہی یہ دسو سد ہوتا ہے۔ اور ممکن ہو کہ شیطان لعین
نے حضرت مسیح علیہ السلام کے دل میں اسی قسم کے خفیت دسو سد کے ڈالنے کا ارادہ کیا ہو۔
اور انہوں نے قوت نبوت سے اس دسو سد کو دفع کر دیا ہو۔ اور ہمیں یہ کہنا اس مجبوری سے پڑا

ہے جیسا پہلے کہ بت سے انجلیں میں سے ایک انجلی اب تک ان کے پاس وہ بھی ہو گئیں لکھا ہو کہ حضرت مسیح مصلوب
نہیں ہوتے۔ یہ بیان صحیح ہو کیونکہ مریم علیہ اس کی تصدیق کر قی ہو جس کا دکر صداق طبیعوں نے کیا ہے۔ من

ہے کہ یقیناً صرف انجیلوں میں ہی نہیں ہر۔ بلکہ ہماری احادیث صحیح میں بھی ہر چنانچہ لکھا ہو:-
 عن محمد بن عمران الصیرف قال حدثنا الحسن بن علي بن العزى عن العباس
 بن عبد الواحد عن محمد بن عمرو عن محمد بن مناذ عن سفيان بن عيينة عن
 عمرو بن دینار عن طاؤس عن أبي هريرة قال جاء الشيطان إلى عيسى - قال
 المست ترجم انك صداق قال بلى قال فاوق على هذه الشاهقة فالله نفسك
 منها فقل ويلك العريقال الله يا ابن آدم لا تبلغ به لا لك فاني افعل ما اشاء -
 ۱۴
 یعنی محمد بن عمران صیرفی سے روایت ہے اور انہوں نے حسن بن علیل عنزی سے روایت کی اور
 حسن نے عباس سے اور عباس نے محمد بن عمرو سے اور محمد بن عمر منے محمد بن مناذ سے۔ اور
 محمد بن مناذ نے سفیان عنینی سے اور سفیان نے عمر بن دینار سے اور عمر بن دینار نے طاؤس
 سے اور طاؤس نے ابو ہریرہ سے کہا شیطان عینے کے پاس آیا اور کہا کہ کیا تو مگان نہیں کرنا کہ تو
 سچا ہے اُس نے کہا کہ کیوں نہیں۔ شیطان نے کہا کہ اگر یہ سچا ہے تو اس پہاڑ پر پڑھ جا اور پھر
 اس پر اپنے تنہیں نیچے گا دے۔ حضرت عیسیٰ نے کہا تجھ پر واولا ہو کیا تو نہیں جانتا۔ کہ
 خدا نے فرمایا ہے کہ اپنی موت کے ساتھ میرا امتحان نہ کر کہ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ اب
 ظاہر ہے کہ شیطان ایسی طرز سے آیا ہو گا جیسا کہ جبرائیل پیغمبروں کے پاس آتا ہے۔ کیونکہ جبرائیل
 ایسا تو نہیں آتا جیسا کہ انسان کسی گاڑی میں بیٹھ کر یا کسی کرایہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر اور
 گھوڑی پاتھر کر اور چادر اور ٹھہر کر آتا ہے۔ بلکہ اس کا آنا عالم شانی کے رنگ میں ہوتا ہے۔ پھر شیطان
 جو مکتر اور ذلیل تر ہے۔ کیوں کہ انسانی طور پر کھلے کھلے آسکتا ہے۔ اس تحقیق سے بہ حال اس
 بات کو ماننا پڑتا ہے جو دریسرے بیان کی ہے۔ لیکن یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے
 قوت نبوت اور فوتوحیقت کے ساتھ شیطانی القا کو ہرگز ہرگز نزدیک آنے نہیں دیا۔ اور اس
 کے ذب اور دفع میں فوراً مشغول ہو گئے۔ اور اس طرح فور کے مقابل پر ظلمت پھر نہیں سکتی۔
 اسی طرح شیطان ان کے مقابل پر ٹھہر نہیں سکا اور بھاگ گیا۔ یہی ان عبادتی لیشَ لکَ

علیکم سلطان مجھ کے صحیح منہ ہیں۔ کیونکہ شیطان کا سلطان یعنی سلط و حیثیت اُن پر ہے جو شیطانی وسوسہ اور الہام کو قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ دُور سے تو رُکے تیر سے شیطان کو مجروح کرتے ہیں اور اُسکے منہ پر زخم اور توبیخ کا جوختہ مارتے ہیں اور اپنے منہ سے وکیجہ بکھے جائے اُسکی پیروی نہیں کرتے وہ شیطانی سلط سے مستثنی ہیں۔ مگرچہ ان کو خدا تعالیٰ طکوت السموات والارض دکھانا چاہتا ہے اور شیطان طکوت الارض میں سے ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ وہ مخلوقات کے مشاہدہ کا دارہ پورا کرنے کے لئے اس عجیب الحیثیت وجود کا پیغمبر دیکھ لیں اور کلامِ من لیں جس کا نام شیطان ہے۔ اس سے اُنکے دامن تنزہ اور عصمت کو کوئی داغ نہیں لگتا۔ حضرت مسیح سے شیطان نے اپنے قدیم طریقہ وسوسہ اندازی کے طرز پر شرارت سے ایک درخواست کی تھی۔ سو انکی پاک طبیعت نے فی الفور اُسکو رُذ کیا اور ص ۱۱ قبول نہ کیا۔ اس میں انہی کوئی گرشان نہیں۔ کیا باشد اہول کے حضور میں کبھی بدمعاش کلام نہیں کرتے۔ سو ایسا ہی روحاںی طور سے شیطان نے یسوع کے دل میں اپنا کلام ڈالا۔ یسوع نے اس شیطانی الہام کو قبول نہ کیا۔ بلکہ رُذ کیا۔ سو یہ تو قابل تعریف بات ہوئی۔ اس سے کوئی نکتہ چیزی کرنا حادثت اور روحاںی فلاسفی کی بے نہبی ہے۔ لیکن جیسا کہ یسوع نے اپنے تُر کے تازیانہ سے شیطانی خیال کو دفع کیا۔ اور اُسکے الہام کی پلیدی فی الفور ظاہر گردی۔ ہر ایک زادہ اور صوفی کا یہ کام نہیں۔ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ شیطانی الہام مجھے بھی ہوا تھا۔ شیطان نے کہا کہ اے عبد القادر تیری جہاد میں قیصل ہوئیں۔ اب جو کچھ دوسروں پر حرام ہے تیرے پر حلال اور نماز سے بھی اب تھجھے فراخٹ ہے جو چاہے کر۔ تب میں نے کہا کہ اے شیطان دُور ہو۔ وہ باہم میرے لئے کب رواہ سکتی ہیں جو نبی علیہ السلام پر رواہ نہیں ہوئیں۔ تب شیطان مجھے سنہری تخت کے میری آنکھوں کے سامنے سے گم ہو گیا۔ اب جب کہ عبد القادر جیسے اہل اللہ اور مرد فرد کو شیطانی الہام ہوا تو دوسروے علماء الناس جنہوں نے ابھی اپنا سلوک بھی تھام نہیں کیا۔ وہ کیونکہ اس سے

پچ سکتے ہیں۔ اور انکو وہ نورانی آنکھیں کہاں حاصل ہیں۔ تا سید عبد القادر اور حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح شیطانی الہام کو شناخت کر لیں۔ یاد رہے کہ وہ کافیں جو عرب میں اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے بکثرت تھے۔ ان لوگوں کو بکثرت شیطانی الہام ہوتے تھے اور بعض وقت وہ پیشگوئیاں بھی الہام کے ذریعہ سے کیا کرتے تھے۔ اور تعجب یہ کہ ان کی بعض پیشگوئیاں سمجھی بھی ہوتی تھیں۔ چنانچہ اسلامی کتابیں ان قصوں سے بھری پڑی ہیں۔ پس جو شخص شیطانی الہام کا منکر ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی تمام تعلیموں کا انکاری ہے۔ اور نبوت کے تمام سلسلہ کا منکر ہے۔ باطل میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چار سو نبی کو شیطانی الہام ہوا تھا۔ اور انہوں نے الہام کے ذریعہ سے جو ایک سفید جن کا کرتب تھا۔ ایک بادشاہ کی فتح کی پیشگوئی کی۔ آخر تو بادشاہ بڑی ذلت سے اُسی لڑائی میں مارا گیا اور بڑی شکست ہوئی اور ایک سیغمہ جنس کو حضرت جبرائیل سے الہام ملا تھا۔ اُس نے یہی خبر دی تھی کہ بادشاہ مارا جائے گا۔ اور کہتے اس کا گوشت کھائیں گے۔ اور بڑی شکست ہوگی۔ سو یہ خبر سچی نکلی۔ مگر اس چار سو نبی کی پیشگوئی جھوٹی ظاہر ہوئی۔

اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب کہ اس کثرت سے شیطانی الہام بھی ہوتے ہیں تو پھر الہام سے امان امکنا نہیں۔ اور کوئی الہام بھروسہ کے لائق نہیں بھہرتا۔ کیونکہ احتمال ہے کہ شیطانی ہو۔ خاصکر جبکہ مسیح جیسے اولی العزم نبی کو بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ تو پھر اس سے تو ہم لوگوں کی کمر ڈھنی ہے۔ تو الہام کیا ایک بلا ہو جاتی ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بیدل ہونے کا کوئی محل نہیں۔ دُنیا میں خدا تعالیٰ کا قالوں قدرت الیساہی واقع ہوا ہے کہ ہر ایک عده جوہر کے ساتھ مغشوں چیزیں بھی لگی ہوئی ہیں۔ دیکھو ایک تو وہ موتی ہیں جو دریا سے نکلتے ہیں۔ دُسرے وہ سستے موتی میں جو لوگ آپ بنائے رہتے ہیں۔ اب اس خیال سے کر دُنیا میں جھوٹے موتی بھی ہیں پتے موتیوں کی خرید و فروخت بند نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ جوہری جن کو خدا تعالیٰ نے بصیرت دی ہے۔ ایک ہی نظر سے پھر جاتے ہیں کہ یہ چا اور

یہ جھوٹا ہے۔ سو الہامی جواہرات کا جو ہری امام الزمان ہوتا ہے۔ اسکی صحبت میں رہ کر انسان جلد اصل اور مصنوعی میں فرق کر سکتا ہے۔ اسے صوفیا! اور اس ہوتی کے گرفتاروں ذرا ہوش سنبھال کر اس راہ میں قدم رکھو اور خوب یاد رکھو کہ سچا الہام جو خالص خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے مندرجہ ذیل علمتیں اپنے ساتھ رکھتا ہے:-

(۱) وہ اس حالت میں ہوتا ہے کہ جب کہ انسان کا دل آتش درد سے گداز ہو کر مصقاً پانی کی طرح خدا تعالیٰ کی طرف بہتا ہے۔ اسی طرف حدیث کا اشارہ ہے کہ قرآن نعم کی حالت میں نازل ہوا۔ لہذا تم بھی اس کو غنا کا دل کے ساتھ پڑھو۔

(۲) سچا الہام اپنے ساتھ ایک لذت اور سرورگی خاصیت لاتا ہے اور نامعلوم وجہ سے یقین بخشندا ہے اور ایک فولادی بخش کی طرح دل کے اندر دھنس جاتا ہے اور اس کی عبارت فصیح اور غلطی سے پاک ہوتی ہے۔

(۳) سچے الہام میں ایک شوکت اور بلندی ہوتی ہے۔ اور دل پر اس سے مضبوط ٹھوکر لگتی ہے۔ اور نعمتوں اور رجمناک آغاز کے ساتھ دل پر نازل ہوتا ہے۔ مگر جھوٹے الہام میں چوری اور مختشوں اور عورتوں کی سی دھمی آواز ہوتی ہے کیونکہ شیطان چور اور مختشت اور عورت ہے۔

(۴) سچا الہام خدا تعالیٰ کی طاقتوں کا اثر اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور ضرور ہے کہ اس میں پیشگوئیاں بھی ہوں اور وہ پوری بھی ہو جائیں۔

(۵) سچا الہام انسان کو دن بدن نیک بناتا جاتا ہے۔ اور اندر وہ کشافتیں اور غلطیں پاک کرتا ہے اور اخلاقی مالتعلل کو ترقی دیتا ہے۔

(۶) سچے الہام پر انسان کی تمام اندر وہی قوتیں گواہ ہو جاتی ہیں اور ہر ایک قوت پر ایک نئی اور پاک روشنی پڑتی ہے اور انسان اپنے اندر ایک تبدیلی پاتا ہے اور اسکی پہلی زندگی مر جاتی ہے اور نئی زندگی شروع ہوتی ہے۔ اور وہ بھی نوع کی ایک عامہ ہمدردی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

(۷) سچا الہام ایک ہی آواز پر ختم نہیں ہوتا۔ کیونکہ خدا کی آواز ایک سلسلہ رکھتی ہے۔ وہ

نہایت ہی حلیم ہے جسکی طرف توجہ کرتا ہو۔ اس سے مکالمت کرتا ہو اور سوالات کا جواب دیتا چھادر ایک ہی مکان اور ایک ہی وقت میں انسان اپنے معروضات کا جواب پا سکتا ہو۔ لگوں مکالمہ پر کبھی فترت کا زمانہ بھی آ جاتا ہے۔

(۸) پچھے الہام کا انسان کبھی بُزدل نہیں ہوتا اور کسی مدینی الہام کے مقابلہ سے اگرچہ وہ کیسا ہی مخالف ہو نہیں ڈرتا۔ جانتا ہو کہ میرے ساتھ خدا ہو اور وہ اسکو ذلتکے ساتھ شکست دیگا۔
 (۹) سچا الہام اکثر علوم اور معارف کے جانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا اپنے ملکہم کو بے علم اور جاہل رکھتا ہے اسی چاہتا۔

(۱۰) پچھے الہام کے ساتھ اور بھی بہت سی بُرکتیں ہوتی ہیں اور کلیم الشد کو غیرہے عزت دی جاتی ہے اور رعب عطا کر جاتا ہے۔

آجکل کا ایک ایسا ناقص زمانہ ہے کہ اکثر فلسفی طبع اور نیچری اور برہم اس الہام سے منکر ہیں۔ اسی انکار میں کئی اس دُنیا سے گزر بھی گئے۔ لیکن اصل امر یہ ہے کہ سچائی سچائی ہے گو تمام جہاں اس کا انکار کرے۔ اور جبوٹ جبوٹ ہے گو تمام دُنیا اس کی مصدق ہے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کو مانتے اور اس کو مدبر عالم خیال کرتے ہیں۔ اور اس کو بعد از سمیع اور علم جانتے ہیں۔ ان کی یہ حیثیت ہے کہ استدر افراطوں کے بعد پھر خدا تعالیٰ کے کلام سے منکر رہیں۔ کیا جو دیکھتا ہے جانتا ہے اور بغیر ذریعہ جسمانی اساب کے اس کا علم ذرہ پر محیط ہو۔ دبول نہیں سکتا۔ اور یہ کہنا بھی غلطی ہو کہ اسکی قوتِ گویائی پہلے تو تھی اور اب بند ہو گئی۔ گویا اس کی صفت کلام آگے ہنہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے لیکن ایسا کہنا بڑی نوہیدی دیتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی صفتیں بھی کسی زمانہ تک چل کر پھر مفقود ہو جاتی ہیں اور کچھ بھی انکاشان باقی نہیں رہتا تو پھر باقی مانہ صفتیں میں بھی جائے اندریشہ ہے۔ افسوس ایسی عقول اور ایسے اعتقادوں پر کہ جو خدا تعالیٰ کی تمام صفات مان کر پھر چھری یا تھری میں لے لیتھتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک ضروری حصہ کاٹ کر پھینک دیتے ہیں۔ افسوس کہ آریوں نے تو وید تک ہی خدا تعالیٰ کے کلام پر ہر لگادی تھی۔ مگر

عیسائیوں نے مجھی الہام کو بے مہر سنتے نہ دیا۔ گویا حضرت مسیح تک ہی انسانوں کو ذاتی بصیرت اور معرفت حاصل کرنے کیلئے پچشم وید الہاموں کی حاجت تھی اور آئینہِ ایسی بقیمت ذریت تھے کہ وہ ہمیشہ کیلئے مخصوص ہیں۔ حالانکہ انسان ہمیشہ چشم دید ماجرا اور ذاتی بصیرت کا محتاج ہے۔ مذہب اسی زمانہ تک علم کے رنگ میں رہ سکتا ہے جب تک خدا تعالیٰ اکی صفات ہمیشہ تازہ بتازہ بخیل فرماتی رہیں۔ ورنہ کہ ہمیں کی صورت میں ہو کر جلد مر جاتے ہے۔ کیا ایسی ناکامی کو کوئی انسانی کافی شنس قبول کر سکتا ہے۔ جب کہ ہم اپنے اندر اس بات کا احساس پاتے ہیں کہ ہم اس معرفت تامہ کے محتاج ہیں جو کسی طرح بغیرِ کاملہ الہیہ اور بڑے بڑے نشانوں کے پوری نہیں موسکتی تو کس طرح خدا تعالیٰ کی رحمت ہمپر الہامات کا دروازہ بند کر سکتی ہے۔ کیا اس زمانہ میں ہمارے ول اور ہو گئے ہیں یا خدا اور ہو گیا ہے۔ یہ تو ہم نے مانا اور قبول کیا کہ ایک زمانہ میں ایک کا الہام لاکھوں کی معرفت کوتازہ کر سکتا ہے اور فرد فرد میں ہونا ضروری نہیں۔ لیکن ۱۱۷ صہیں قبول نہیں کر سکتے کہ الہام کی سرے سے صفت ہی الٹ دی جائے۔ اور ہمارے ہاتھ میں صرف ایسے قصتے ہوں جن کو ہم نے پچشم خود دیکھا نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ایک امر صد ما سال سے قصتے کی صورت میں ہی چلا جائے اور اس کی تصدیق کیلئے کوئی تازہ نمونہ پیدا نہ ہو تو اکثر جلیست عین جو فلسفی رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اس قصتے کو بغیرِ قوی دلیل کے قبول نہیں کر سکتیں۔ خاص کر جبکہ قصتے ایسی با توں پر دلالت کریں کہ جو ہمارے زمانہ میں خلاف قیاس معلوم ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد ہمیشہ فلسفی طبع آدمی ایسی کرامتوں پر مشتمل ہے اور شبہ کی حد تک بھی نہیں ٹھہرتے۔ اور یہ اُن کا حق بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ اُنکے دل میں گذر تاہم کا جبکہ کہ وہی خدا ہم اور وہی صفات اور وہی ضروریں ہمیں پیش ہیں تو پھر الہام کا سلسہ کیوں بند ہے۔ حالانکہ تمام رومنیں شور ڈال رہی ہیں کہ ہم بھی تازہ معرفت کے محتاج ہیں۔ اسی وجہ سے ہندوؤں میں لاکھوں انسان دہریہ ہو گئے۔ کیونکہ بار بار پہنچ توں نے انکو یہی تعلیم دی کہ کروڑ بھائی سلسلے سے الہام اور کلام کا سلسہ بند ہے۔ اب انکو یہ شبہ ہات دل میں گزرے کہ وید کے زمانہ

کی نسبت ہمارا زمانہ پرمیشتر کے تازہ الہامات کا بہت محتاج تھا۔ پھر اگر الہام ایک حقیقت ہے تو دید کے بعد اس کا سلسلہ کیوں قائم نہیں رہا۔ اسی وجہ سے آریہ ورت میں دہربیت پھیل گئی۔ اسی لئے صد ہزار قہقہے ہندوؤں میں ایسے پاؤ گے جو دید سے مٹھا کرتے اور اس سے انکاری ہیں۔ چنانچہ انہیں سے ایک جبین مت کافر قہقہے۔ اور دو حقیقت سکھوں کافر قہقہی انہی خیالات کی وجہ سے ہندوؤں سے الگ ہوا ہے۔ کیونکہ ایک تو ہندوؤں میں دنیا کی صد چیزوں کو خدا کے ساتھ شریک کیا گیا ہے۔ اور اس قدر شرک کا انبار ہے جس میں پرمیشتر کا کچھ پتہ نہیں ملتا۔ اور پھر جو دید کے الہامی ہونے کا دعویٰ ہے۔ یہ محض بلا ثبوت ایک قصہ ہے جس کو لاکھوں برسوں کی طرف حوالہ دیا جاتا ہے۔ تازہ ثبوت کوئی نہیں۔ اسی سبب سے جو پورے سکھ ہیں وہ دید کو نہیں مانتے۔ چنانچہ اخبار عامم لاہور ۲۴ ستمبر ۱۸۹۸ء میں ایک سکھ صاحب کا ایک مضمون اسی بارے میں شائع ہوا ہے اور انہوں نے اس بات کی تائید میں کہ خاصہ کاگر وہ دید کو نہیں مانتا۔ اور انکو گور و طفل کی طرف سے ہدایت ہے کہ دید کو ہرگز نہ مانیں۔ گزٹہ کے شبد لعنی شعر بھی لکھے ہیں جن کا ماحصل یہی ہے کہ دید کو ہرگز نہ ماننا اور اقرار کیا ہے۔ کہ ۴۲
ہم لوگ ویکے ہرگز پیر و نہیں ہیں اور نہ اسکو قبول کرتے ہیں۔ ہاں اس نے قرآن شریف کی اور وہ اس نور سے بیخبر ہیں۔ جو خدا نے قادر قیوم نے اسلام میں رکھا ہوا ہے اور بیان ثابت ہے کہ اور تھدی کے انکو ان نوروں پر اطلاع بھی نہیں ہے کہ جو قرآن شریف میں بھرے پڑے ہیں۔ بلکہ جس قدر قومی طور پر ہندوؤں سے ان کے تعلق ہیں مسلمانوں سے یہ تعلقات نہیں ہیں۔ ورنہ ان کے لئے یہی کافی تھا کہ اس وصیت پر چلتے کہ جو چولہ صاحب میں باوانا نک صاحب تحریر فرمائے ہیں۔ کیونکہ چولہ صاحب میں باوانا صاحب یہ لکھ گئے ہیں کہ اسلام کے سوا کوئی مذہب صحیح اور سچا نہیں ہے۔ پس ایسے بنگ کی اس ضروری وصیت کو ضائع کر دینا نہ ہے قابل افسوس بات ہے خالصہ صاحبوں کے ہاتھ میں صرف ایک چولہ صاحب ہی ہے۔ جو

با و اصحاب کے ہاتھوں کی یاد گاہی ہے۔ اور گز نتھ کے شبد تو بہت پچھے سے آئنے کئے گئے ہیں۔ جس میں محققوں کو بہت کچھ کلام ہے۔ خدا جانے اس میں کیا کیا تصرفات ہوئے ہیں۔ اور کن کن لوگوں کے کلام کا ذمہ ہے۔ خیر یہ قصہ اس جگہ کے لائق نہیں ہے۔ ہما اصل مطلب یہ ہے کہ نبی نوع انسان کا ایمان تازہ رکھنے کیلئے تازہ الہامات کی ہمیشہ ضرورت ہے۔ اور وہ الہامات اقتداری قوت سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ خدا کے سوا کسی شیطان جتنے بھوت میں اقتداری قوت نہیں ہے۔ اور امام الزمان کے الہام سے باقی الہامات کی صحت ثابت ہوتی ہے۔

ہم بیان کرچکے ہیں کہ امام الزمان اپنی جیلت میں قوت امامت رکھتا ہے اور دست قدرت نے اسکے اندر پیشہ ہی کا خاصہ پھونکا ہوا ہوتا ہے۔ اور یہ سنت اللہ ہے کہ وہ انسانوں کو متفرق طور پر چھوڑنا نہیں چاہتا۔ بلکہ جیسا کہ اُس نے نظام شمسی میں بہت سے ستاروں کو داخل کر کے سورج کو اس نظام کی بادشاہی بخشی ہے۔ ایسا ہی وہ عالم میں منہ کو ستاروں کی طرح حسب مرتب روشنی بخش کر امام الزمان کو اُنکا سورج قرار دیتا ہے اور یہ سنت الہی ہے کہ ان میں بھی ایک امام ہوتا ہے جو یحییوب کہلاتا ہے۔ اور جہانی سلطنت موجود ہے کہ ان میں بھی ایک امام ہوتا ہے جو یحییوب کہلاتا ہے۔ اور خدا میں بھی یہی خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ ایک قوم میں ایک امیر اور بادشاہ ہو۔ اور خدا کی لعنت ان لوگوں پر ہے جو تفرقة پسند کرتے ہیں۔ اور ایک امیر کے تحت حکم نہیں چلتے حالانکہ اللہ جل شانہ، فرماتا ہے۔ **أَطْبِعُوا اللَّهَ وَأَطْبِعُوا الرَّسُولَ وَأُولَئِكُمْ هُمُ الْمُفْرِضُونَ** اولی الامر سے مراد جہانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزمان ہے۔ اور جہانی طور پر جو شخص ہمارے مقاصد کا مخالف نہ ہو اور اس سے مذہبی فائدہ، یہیں حاصل ہو سکے وہ ہم میں سے ہے۔ اسی لئے میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے کہ وہ انحرافیوں کی بادشاہی کو اپنے اولی الامر میں داخل کریں اور دل کی سچائی سو انکے مطیع رہیں۔

کیوں لگہ وہ ہمارے دینی مقاصد کے حارج نہیں ہیں بلکہ ہم کو انکے وجود سے بہت آرام ملا ہے اور ہم خزانت کریں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ انگریزوں نے ہمارے دین کو ایک قسم کی وہ مدد دی ہے کہ جو ہندوستان کے اسلامی بادشاہوں کو بھی میسر نہیں آسکی۔ کیونکہ ہندوستان کے بعض اسلامی بادشاہوں نے اپنی کوتاہ تمتی سے صوبہ پنجاب کو چھوڑ دیا تھا۔ اور انکی اس خفقت سے سکھوں کی متفرق حکومتوں کے وقت میں ہم پر اور ہمارے دین پر وہ مصیبتوں اُئیں کہ مساجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اور بلند آواز سے اذان دینا بھی مشکل ہو گیا تھا اور پنجاب میں دین اسلام مر جانا تھا۔ پھر انگریز یا آئے اور انگریز کیا ہمکے نیک طالع پھر ہماری طرف والپس ہوئے اور انہوں نے دین اسلام کی حمایت کی اور ہمارے مذہبی فرائض میں ہمیں پوری آزادی بخشی اور ہماری مسجدیں والزار کی ہیں۔ اور پھر مدت دراز کے بعد پنجاب میں شعارات اسلام و کھانی دینے لگا پس کیا یہ احسان یاد رکھنے کے لائق نہیں؟ بلکہ حق تو یہ ہے کہ بعض سُستِ بہت اسلامی بادشاہوں نے تو اپنی خلفتوں سے کفرستان میں ہمیں دھکے دیا تھا اور انگریز ہاتھ پر مکر پھر ہمیں باہر نکال لائے۔ پس انگریزوں کے بخلاف بخوات کی چھوڑی پکارتے رہنا خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو فراموش کرنا ہے۔

پھر اصل کلام کی طرف عود کر کے کہتا ہوں۔ کہ قرآن شریعت نے جیسا کہ جسمانی تعلق کے لئے یہ تاکید فرمائی ہے کہ ایک بادشاہ کے زیر حکم ہو کر چلیں۔ یہی تاکید روحانی تعلق کے لئے بھی ہے اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ یہ دعا سکھلاتا ہے اہل نالصرّاط امُسْتَقِيمَ صرّاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ پس سوچنا چاہیے کہ یوں تو کوئی مومن بلکہ کوئی انسان بلکہ کوئی حیوان بھی خدا تعالیٰ کی نعمت سے خالی نہیں۔ مگر نہیں کہہ سکتے کہ ان کی پیروی کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے۔ لہذا اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ جن لوگوں پر اکمل اور اتم طور پر نعمتِ رُوحانی کی بادش ہوئی ہے۔ انکی راحوں کی ہمیں توفیق بخش کرتا ہم ان کی پیروی کریں۔ سو اس آیت میں یہی اشارہ ہے کہ تم امام الزمان کے ساتھ ہو جاؤ۔

یاد رہے کہ امام الزمان کے لفظ میں نبی، رسول، محدث، مجدد و سب داخل ہیں۔ مگر جو لوگ ارشاد اور ہدایت خلق اللہ کیلئے ہامور ہیں ہوئے اور نہ فہمکمالات ان کو دیئے گئے۔ وہ گو ولی ہوں یا اپہال ہوں۔ امام الزمان نہیں کہلا سکتے۔

اب بالآخر یہ سوال یا قیام کا اس زمانہ میں امام الزمان کون سمجھ جس کی پیروی تماہ محرم مسلمانوں اور زادہ ول اور خواب بینوں اور طہنوں کو گرفت خدا تعالیٰ کی طرف سے مرض قرار دیا گیا ہو۔ سو میں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور حنایت سے وہ

امام الزمان میں نزول

اوہ مجھ میں خدا تعالیٰ نے وہ تمام علماء شرطیں جمع کی ہیں اور اس صدی کے سر پر مجھے مبعوث فرمایا ہے۔ جس میں سے پندرہ برس لگز بھی گئے۔ اور ایسے وقت میں ظاہر ہوا ہوں کہ جب کہ اسلامی حقیقت سے اختلافات سے بھر گئے تھے۔ اور کوئی عقیدہ اختلاف سے خالی نہ تھا۔ ایسا ہی سچ کے نزول کے بارے میں نہایت غلط خیال پھیل گئے تھے اور اس حقیقتے میں بھی اختلاف کا یہ حال تھا کہ کوئی حضرت عیسیٰ کی جیات کا قائل تھا اور کوئی موت کا۔ اور کوئی جسمانی نزول یا ناسا تھا اور کوئی بروزی نزول کا معتقد تھا۔ اور کوئی مشق میں انگو اتارہ تھا اور کوئی مکہ میں۔ اور کوئی بیت المقدس میں اور کوئی اسلامی لشکر میں اور کوئی خیال کرنا تھا کہ ہندوستان میں اُتریں گے۔ پس یہ تمام مختلف رائیں اور مختلف قول ایک فیصلہ کرنے والے حکم کو چاہتے تھے۔ سو وہ حکم میں ہوں۔ میں روحانی طور پر کسر صریحیت کے لئے اور نیز اختلافات کے دُور کرنے کیلئے بھیجا گیا ہوں۔ ان ہی دونوں امروں نے تقاضا کیا کہ میں بھیجا جاؤں میرے لئے ضروری نہیں تھا کہ میں اپنی حقیقت کی کوئی اور دلیل پیش کروں کیونکہ ضرورت خود دلیل ہے۔ لیکن پھر بھی میرے تائید میں خدا تعالیٰ نے کئی نشان ظاہر کئے ہیں۔ اور میں جیسا کہ اور اختلاف میں فیصلہ کرنے کے لئے حکم ہوں۔ ایسا ہی وفات حیات کے جگہ میں بھی حکم کہ ہوں۔

اور میں امام مالک اور ابن حزم اور معتزلہ کے قول کو مسیح کی وفات کے بارے میں صحیح قرار دیتا ہوں اور دوسرے اہلسنت کو غلطی کا انتہج سمجھتا ہوں۔ سو میں یہ میثت حکم پڑھنے کے ان جملوں کر نیوں میں یہ حکم صادر کرتا ہوں کہ نزول کے اجمالی معنوں میں یہ گروہ اہلسنت کا سچا ہے کیونکہ مسیح کا بروزی طور پر نزول ہونا ضروری تھا۔ ہاں نزول کی یقینیت بیان کرنے میں ان لوگوں نے غلطی کھاتی ہے۔ نزول صفت بروزی تھانے کہ حقیقی اور مسیح کی وفات کے مسئلہ میں معتزلہ اور امام مالک اور ابن حزم وغیرہ ہمکلام اُن کے سچے ہیں کیونکہ موجب نفس صریح آئیت کریمہ لعینی آیت فلہما تو فیتنے کے مسیح کا عیسائیوں کے بگڑنے سے پہلے وفات پا ناضر وری تھا۔ یہ میری طرف سے بطور حکم کے فیصلہ ہے اب جو شخص میرے فیصلہ کو قبول نہیں کرتا وہ اُس کو قبول نہیں کرتا جس نئے مجھے حکم کو مقرر فرمایا ہو۔ اگر یہ سوال پیش ہو کہ تمہارے حکم ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ اس کا یہ جواب ہے کہ جس زمانہ کیلئے حکم آنا چاہیے تھا وہ زمانہ موجود ہے۔ اور جس قوم کی صلیبی غلطیوں کی حکم نے اصلاح کرنی تھی وہ قوم موجود ہے۔ اور جن نشانوں نے اس حکم پر گواہی دیتی تھی وہ نشان ظہور میں آچکے ہیں۔ اور اب بھی نشانوں کا سلسلہ شروع ہے۔ آسمان نشان ظاہر کر رہا ہے۔ زمین نشان ظاہر کر رہا ہے اور مبارک وہ جن کی آنکھیں اب بند نہ رہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ پہلے نشانوں پر ہی ایمان لاو۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر میں حکم نہیں ہو تو میرے نشانوں کا مقابلہ کرو۔ میرے مقابل پر جو اختلاف عقائد کے وقت آیا ہوں اور سب تھیں نئی ہیں۔ صرف حکم کی بحث میں ہر ایک کی حق ہے جسکو میں پورا کر چکا ہوں۔ خدا نے مجھے چار نشان دیئے ہیں۔

(۱) میں قرآن شریعت کے مجرموں کے ظلّ پر عربی بلاغت فصاحت کا نشان دیا گیا ہے۔
کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

(۲) میں قرآن شریعت کے حفاظت معاشرت بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ

جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

(۳۱) میں کثرت قبولیت دعا کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے میں جملہ کا کہہ سکتا ہوں کہ میری دعا میں تیس ہزار کے قریب قبول ہو چکی ہیں اور انکا میرے پاس ثبوت ہے۔

(۳۲) میں غیری اخبار کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ یہ خدا تعالیٰ کی گواہیاں میرے پاس ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشوائیاں میرے حق میں پچھتے ہوئے نشانوں کی طرح پوری ہوئیں ہے۔

آسمان بارہ نشان الوقت نے گوید زمین + ایں دو شاہراز پئے تصدیق من استادہ اند
ہت ہوئی کسو ف خسوف رمضان میں ہو گیا۔ حج بھی بند ہوا اور بوجب حدیث کے طاعون بھی ملک
میں پھیلیا اور بہت نشان محمد سو ظاہر ہوئے جسکے صدر ہند و اسلام گواہ ہیں جن کو میں نے ذکر نہیں
کیا۔ ان تمام وجہ سے میں امام الزمان ہوں اور خدامیری تائید میں ہو۔ اور وہ میرے لئے ایک تیز
تلوار کی طرح کھڑا ہو۔ اور مجھے خبر دی گئی ہو کہ جو شراری سے میرے مقابل پر کھڑا ہو گا وہ ذلیل اور شرمندہ
کیا جائیگا۔ دیکھو میں نے وہ حکم پہنچا دیا جو میرے ذمہ تھا۔ اور یہ باتیں میں اپنی کتابوں میں کئی مرتبہ
لکھ چکا ہوں مگر جس واقعہ نے مجھے ان امور کے مکر لکھنے کی تحریک کی وہی سے ایک دوست کی
اجتہادی غلطی سے جسپر اطلاع پانے سے میں نے ایک بہت دردناک دل کیسا تھا اس سال کو لکھا ہو۔

تفصیل اس واقعہ کی ہے کہ ان دونوں میں تین ماہ تبر ۱۴۹۵ھ میں جو مطابق جادی الاول ۱۴۹۶ھ
ہے۔ ایک میرے دوست جن کو میں ایک بیٹہ انسان اور نیک بخت اور متقدی اور پرہیزگار جانتا ہوں
اور انکی نسبت ابتداء سے میرا بہت نیک مگان ہے وَاللَّهُ حسیبہ۔ مگر بعض خیالات میں غلطی میں
پڑا ہوا سمجھتا ہوں۔ اور اس غلطی کے ضرر سے انکی نسبت اندازیت بھی رکھتا ہوں وہ تکالیف سفر
اٹھا کر اور ایک اور میرے عزیز دوست کو ہمراہ لیکر قادریاں میں میرے پاس پہنچے اور بہت سے
الہامات اپنے مجھ کو سنتے پس اس سے مجھ کو بہت خوشی ہوئی۔ کہ خدا تعالیٰ نے انکو الہامات کا
شرف بخشنا ہے۔ مگر انہوں نے سلسہ الہامات میں ایک یخواب بھی اپنی مجھے سنائی کہ میں نے

آپ کی نسبت کہا تو کہ میں انکی کیوں بیعت کر دیں بلکہ انہیں میری بیعت کرنی چاہیئے۔ اس خواب سے معلوم ہوا کہ وہ مجھے سچ موقود نہیں مانتے۔ اور نیز یہ کہ وہ مسئلہ امانت حق سے بے خبر ہیں۔ لہذا میری ہمدردی نے تقاضنا کیا کہ تا میں ان کیلئے امانت حق کے بیان میں یہ رسالہ کلموں اور بیعت کی حقیقت تحریر کروں۔ سو میں امام حق کے بارے میں جس کی بیعت لینے کا حق ہے۔ اس رسالے میں بہت کچھ لکھ دیا ہوں۔ رہی حقیقت بیعت کی۔ سو وہ یہ ہے کہ بیعت کا الفاظی معنے مشتق ہو۔ اور یعنی اس باہمی رضا مندی کے معاملہ کو کہتے ہیں۔ جیسیں ایک پیغمبر دوسری پیغمبر کے عوض میں دی جاتی ہو۔ سو بیعت سے غرض یہ ہو کہ بیعت کرنے والا اپنے نفس کو منع اسکے تمام لوازم کے ایک ہبہ کے ہاتھ میں اس غرض سے بیچے کہ تا اسکے عوض میں وہ معارف حقہ اور برکات کا ملہ حاصل کرے جو موجود معرفت اور نجات اور رضا مندی پاری تھا لے ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ بیعت سے صرف تو پہنچوڑ نہیں کیونکہ ایسی توہہ تو انسان بطور خود بھی کر سکتا ہے بلکہ وہ معارف اور برکات اور فرشان مقصود ہیں جو حقیقی قوی کی طرف کھینچتے ہیں۔ بیعت سے اصل مدعا یہ ہو کہ اپنے نفس کو اپنے رہیم برکی غلامی میں دیکر وہ علوم اور معارف اور برکات اسکے عوض میں لیوے۔ جن سے ایمان کوی ہو اور حرفت بڑھے۔ اور حدائقی سے صاف تعلق پیدا ہو۔ اور اسی طرح دنیوی ہبہ سے رہا ہو کر آخرت کے سکھڑے نہیں نصیب ہوا جو دنیوی زبانی سے شقاپا کر آخرت کی زبانی سے بھی اسی حاصل ہو۔ سو اگر اس بیعت کے شرویں کا کوئی مرد ہو تو سخت بد فدائی ہو گی کہ کوئی سخت داشتہ اس سے الاف کرے۔ عزیز من! ہم تو معاشر دوست حقائق نور آسمانی برکات کے بھروسے اپنے پیاسے ہیں اور ایک سمند بھروسی کر سیزیں ہو سکتے۔ پس اگر ہم کوئی اپنی غلامی میں لیتا چاہے توہ بیعت سهل طریق ہے کہ بیعت کے مفہوم اور اس کی ملکہ فلامنگی کو ذہن میں رکھ کر یہ خرید و فروخت ہم سے کر لے۔ اور اگر اسکے پاس ایسے حقائق اور معارف اور آسمانی برکات ہوں جو ہمیں نہیں دیتے گئے۔ اور یا اسپر وہ قرآنی علوم کھو لے گئے ہوں جو ہمپر نہیں کھو لے گئے۔ تو بسم اللہ وہ بزرگ ہماری غلامی اور اطاعت کا ہاتھ لبوے۔ اور وہ روحانی معارف اور قرآنی حقائق اور آسمانی برکات ہمیں عطا کرے۔ میں تو زیادہ تکلیف دیتا ہی

نہیں چاہتا۔ ہمارے طہم دوست کسی ایک جلسہ میں سورہ اخلاص کے ہی حقائق معارف بیان فرمائیں جس سے ہزار درجہ بڑھ کر ہم بیان نہ کر سکیں۔ تو ہم ان کے مطیع ہیں۔ تندار د کے باتو ناگفتہ کار پر ولیکن پوچھتی دلیلش بیار

بہرحال اگر آپ کے پاس وہ حقائق اور معارف اور برکات میں جو مجرما ادا کرنے اور رکھتے ہیں تو پھر میں کیا میری تمام جماعت آپ کی بیعت کریں۔ اور کوئی سخت بذات ہو گا کہ جو ایسا د کرے مگر میں کیا کہوں اور کیا لکھوں معافی مانگ کر کہا ہوں کہ جس وقت میں نے آپ کے الہامات لکھ کر ہوئے نہ تھے ان میں بھی بعض جگہ صرفی اور نحوی غلطیاں تھیں۔ آپ ناراض مہول میں شفاض نیک نیتی سے اور غریب سے دینی نعمیت کے طور پر یہ بھی بیان کر دیا ہو۔ باں ہم میرے نزدیک اگر الہامات کسی ناداقع اور ناخاندہ کے الہامی فقروں میں نحوی صرف غلطی ہو جائے تو نفس الہام قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک نہایت دقیق مسئلہ ہے اور پڑے بسط کو چاہتا ہے جس کا یہ محل نہیں ہو۔ اگر ایسی غلطیاں سُنکر کوئی خشک ملا جو شیخ میں آجھے تو وہ بھی محدود ہے۔ کیونکہ دو حالی خلافی کے کوچہ میں اسکو دخل نہیں۔ لیکن یہ ادنی درجہ کا الہام کہلاتا ہو۔ جو خدا تعالیٰ کے توڑگی پوری بھلی سے زندگ پڑی نہیں ہوتا۔ کیونکہ الہام تین طبقوں کا ہوتا ہے۔ ادنی اور او سط اور اعلیٰ۔ بہرحال ان غلطیوں سے مجھے شرمند ہو ناپڑا۔ اور میں اپنے دل میں دعا کرتا تھا کہ میرے محترم دوست کسی شری خشک ملا کوئی الہامات جو بظاہر قابل اعتراض ہیں نہ سناویں کہ وہ خواہ نحوہ مٹھا اور پہنسی کریں۔ جو الہام حقائق معارف سے خالی اور غلطیوں سے بھی پر ہو کسی موافق یا مخالف کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ خاصکہ اس زمانہ میں۔ بلکہ بجائے فائدہ نقصان کا انیشہ ہو۔ میں ایمان سے اور سچائی سے خلفاً کہتا ہوں کہ یہ بات سراہم ریح ہے۔ میرے عزیز دوست توجہ الی اتنی کی طرف زیادہ ترقی کریں کہ جیسے جیسے دل کی صفائی بڑھے گی۔ ایسا ہی الہام میں فضاحت کی

بیان میرا تھیں ہے کہ اگر یہ محترم دوست زیادہ توجہ فرمائیں گے۔ تو جلد تر ان کے الہامات میں ایک کامل زندگ پیدا ہو جائے گا۔ من

حصانی بڑھے گی۔ یہی بھیجیدے کہ قرآن کی وحی دوستکار تمام نبیوں کی وحیوں سے علاوہ معارف کے فضاحت بلاعثت میں بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رسے زیادہ دل کی حصائی دی گئی تھی۔ سو وہ وحی مصنفوں کے رو سے معارف کے زنگ میں اور الفاظ کے رو سے غلت فضاحت کے زنگ میں ظاہر ہوتی۔ میرے دوست یہ بھی یاد رکھیں کہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بیعت ایک خرید و فروخت کا معاملہ ہے۔ اور میں حلقاً کہتا ہوں کہ حیقدر ہمارے دوست فاضل مولوی عبد المکیم صاحب وعظات کے وقت قرآن شریعت کے خلاف معارف بیان کرتے ہیں۔ مجھے ہرگز امید نہیں کہ انکا ہزارہ حصہ بھی میرے عزیز دوسرے کچھ مذہ سے نکل سکے۔ اسلی یہی وجہ ہے کہ الہامی طریق ابھی ناقص اور کسبی طریق بکلی متروک۔ نہ معلوم کسی محقق سے قرآن سننے کا بھی اب تک موقعہ ہوا یا نہیں۔ آپ برائے خدا تاریخ نہ ہوں۔ آپ نے اب تک بیعت کی حقیقت نہیں سمجھی کہ اسیں کیا دیتے اور کیا لیتے ہیں۔ ہماری جماعت میں اور میرے بیعت کردہ بندگان خدا میں ایک مرد ہیں جو جلیل الشان فاضل ہیں اور وہ مولوی حکیم حافظ عابدی حرمین فوی الدین صاحب اہل جو گویا تمام ہجان کی تفسیر میں اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اور ایسا ہی اسکے دل میں ہزارہ قرآنی معارف کا ذخیرہ ہے۔ اگر آپ کو فی الحقيقة تدبیعت لیتے کی فضیلت دی گئی ہو۔ تو ایک قرآن کا سپارہ ان ہی کو من خلاف معارف کے پڑھاویں۔ یہ لوگ دیوانے تو نہیں کہ انہوں نے مجھ سے ہی بیعت کر لی اور دوست ٹھہوٹ کو چھوڑ دیا۔ اگر آپ حضرت مولوی صاحب مومنو کی دری کرتے تو آپ کیلئے بہتر ہوتا۔ آپ سوچیں کہ فاضل موصوف جو خانمان چھوڑ کر میرے پاس آئیتے۔

فقط یہ ہم انکا نہیں کرتے کہ آپ پر دنی علم کے سچے کھل جائیں۔ مگر ابھی تو نہیں۔ خوابوں اور کشوفوں پر استعرازات اور مجازات غالب ہوتے ہیں۔ مگر آپ نے اپنے خواب کو حقیقت پر حل کر لیا۔ بعدہ صاحب سرہندی نے ایک کشف میں دیکھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی طفیل خلیل شکار تبرہ ملا اور اس سے بڑو کر شاه ولی اللہ صاحب نے دیکھا تھا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے ہاتھ پر بیعت کی ہے گرانہوں نے بیاعث بسط علم کے دھنیاں نہ کیا۔ جو آپ نے کیا۔ بلکہ تاویل کی۔ من

اور کچھ کوٹھوں میں تکلیف سے بس رکتے ہیں۔ کیا وہ بغیر کسی بات کے دیکھنے کے داشتہں تکلیف کو گواہ کئے ہوئے ہیں؟ ہمارے عزیز اور صاحب ہم صاحب یاد کریں کہ وہ ان خیالات میں سخت درجہ کی غلطی میں بستا ہیں۔ اگر وہ اپنی الہامی طاقت سے پہلے مولوی صاحب موصوف کو قرآن دلی کا نہو نہ دکھلادیں۔ اور اس خارق عادت کی چمکار سے فردین جیسے عاشق قرآن سے بیعت لیں۔ تو پھر میں اور میری تمام حمایت آپ پر قربان ہے۔ کیا چند ناشتا خاتہ الہامی نقوں کے ساتھ کہ وہ بھی اکثر صحیح ہمیں۔ یہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے تین امام الزمان خیال کر لے۔ عزیز من امام الزمان کے لئے بہت سی شرطیں تجویز کر سکتا ہے۔

ہزار سختہ باریک تر زندوی بخاست + نہ کہ سربراشہ قلت دری داند
میرے عذیز ملهم اس دھوکہ میں نہیں کفرات الہامی اکثر اپنے وار وہر تھے ہیں۔ میں پچھے کہتا ہو
کہ میری جاہت میں اس قسم کے ملهم اسقدر ہیں کہ بعض کے الہامات کی ایک کتاب بدقیقی ہو ستید
امیر علی شاہ ہر ایک ہفتہ کے بعد الہامات کا ایک ورق جمعتے ہیں۔ اور بعض ہور تین میری مصدق
ہیں جنہوں نے ایک حرف عربی کا نہیں پڑھا اور عربی میں الہام ہوتا ہے۔ میں نہایت تحجب میں
ہوں کہ آپ کی نسبت اسکے الہامات میں غلطی کم ہوتی ہے ۲۸ ستمبر ۱۹۹۵ء کو اٹکنے چند الہامات
محجوں کو پذیر یعنی خط انکے برادر حقیقی فتح محمد بزادار کے طے۔ ایسا ہی کئی ہماری یحیا عنین میں موجود
ہیں۔ ایک لاہور میں ہی تشریف رکھتے ہیں۔ مگر کیا ایسے الہامات سے کوئی شخص امام الزمانؑ کی
بیعت سے مستغنی ہو سکتا ہے۔ اور مجھے تو کسی کی بیعت سے عذر نہیں۔ مگر بیعت غرض افاضہ علوم
و مانیہ اور تقویت ایمان ہے۔ اب فرمائیجے کہ آپ بیعت میں کونے علوم سکھا ڈیگے۔ اور
کونے قرآن حلقائی بیان فرمائیں گے۔ آپ آئیے اور امامت کا بوجہ دکھلاتے ہم سب بیعت کرتے
ہیں۔ حضرت ناصح گرا ایں دید و دل فرش را + پر کوئی مجھ کو تو سمجھا نہ کہ سمجھا ڈیگے کیا
میں نقارہ کی کواز سے کہہ رہا ہوں کہ جو کچھ خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ سب بطور اشان امامت ہے
جو شخص اس نشانی امامت کو دکھلاتے اور ثابت کرے کہ وہ فضائل میں مجھے سے بڑھ کر ہے۔ میں اسکو

دست بیعت دینے کو طیا ہوں۔ مگر خدا کے وعدوں میں تبدیل نہیں۔ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا کچھ سے قریبًاً بس پہلے برائیں احمدیہ میں یہ الہام درج ہے،

الرَّحْمَنُ عَلِمُ الْقُرْآنَ لَقَنَذْرَ قَوْمًا مَا انذَرَ آبَاءُهُمْ

وَلَقَسْتَبِينَ سَبِيلَ الْجَنَاحِ مِنْ قَلْقَلِ اصْرَتْ وَانَا اولُ الْمُؤْمِنِينَ هُ

اس الہام کے رو سے خدا نے مجھے علوم قرآنی عطا کئے ہیں۔ اور میرا نام اول المؤمنین رکھا۔ اور مجھے سخندر کی طرح معارف اور حقائق سے بھروسہ ہو۔ اور مجھے بار بار الہام دیا ہو کہ اس زمانہ میں کوئی معرفت الہی اور کوئی محبت الہی تیری معرفت اور محبت برابر نہیں۔ پس بخدا میں کشتمی کے میدان میں ہمراہ ہوں۔ جو شخص مجھے قبل نہیں کرتا عقریب وہ مرنسے کے بعد شرمند ہو گا۔ اور اب جمۃ اللہ کے یونچے۔ اسے عربی کوئی کام دنیا کا ہو یادیں کافی نہیں ہو سکتا۔ مجھے یاد ہو کہ یہاں انگریز حاکم کے پاس ایک خاندانی شخص پیش کیا گی کہ اسکو تحصیلدار بنادیا جائے۔ اور جسکو پیش کیا گا اس شخص جاہل تھا اور دبھی نہیں آتی تھی، اس انگریز نے کہا کہ اگر میں اسکو تحصیلدار بنادوں تو اسکی جگہ مقدمات کوں فیصلہ کر دیگا۔ میں اسکو بجز پانچ روپیہ کے مذکوری کے اور کوئی ذکری دے نہیں سکتا۔ اسی طرح اشتعالے بھی فرماتا ہے: - اللہ اعلم حیث یبحعل رسالتہ۔

کیا جس کے پاس ہزاروں دشمن دوست سوالات اور احتراضاں لے کر آتے ہیں اور نیابت نبوت اس کے سپرد ہوتی ہے۔ اس کی سبی شان چاہیئے کہ صرف چند الہامی فقرے اسکی بخش میں پڑے اور وہ بھی بنتے ثبوت۔ کیا قوم اور مختلف قوم اس سے تسلی پکڑ سکتے ہیں۔

اب میں اس مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اور اگر اسکیں کوئی گز لفظ ہو تو ہم ایک صاحب اور نیز اپنے دوست ٹھہم صاحب سے معافی مانگتا ہوں۔ کیونکہ میں نے سراسر نیک نیتی سے چند سطیری کاکشی ہیں۔ اور میں اس عربی دوست سے پہل و جان محبت رکھتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں۔ کہ خدا ان کے ساتھ ہو۔

فقط

خَاسِدٌ مِيرَزا غلامُ احمدٌ از قادیانی ضلعِ گورنر اسپری

مولوی عبد الکریم صاحب کا خط ایک دوست کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد لله والصلوة والسلام على نبیتہ۔

اما بعد

من عبد الکریم الائچی وجہی فضلہ شد خان سلام علیکم ورحمة الله وبرکاتہ
آج میرے دل میں پھر تحریک ہوئی ہو کہ کچھ درود دل کی کہانی آپکو ساختہ مکن ہو کہ آپ بھی
میرے ہمدرد و بخا میں۔ اتنی تھت کے بعد یہ تحریک غالی از مصالح نہ ہوگی۔ حمر ک قلوب اپنے
بندوں کو عجیث کام کی ترغیب نہیں دیا کرتا۔

چودھری صاحب ایں بھی این آدم ہوں۔ ضعیفیت عورت کے پیٹ سے نکلا ہوں ضرور ہے
انسانی کمزوری تعلقات کی کششیں اور وقت مجھ میں بھی ہو۔ بطن عورت سے نکلا جو اگر ادا کرنے لئے
چھٹ نہ جائیں تو سنگدل نہیں ہو سکتا۔ میری مال بڑی ریقق قلب والی بُھیَا دلکم المرض ہو جو دبھے
میرا باب بھی ہے (اللَّٰهُمَّ عَافِنَا وَالْوَدْعَةَ لِلْحَسْنِي) میرے عزیز اور نہایت ہی عزیز بھائی بھی میں۔
اور تعلقات بھی ہیں تو پھر کیا میں پھر کا کیجھ رکھتا ہوں جو بہنوں گزر گئے یہاں دھونی رہائے ٹیکھا ہوں
یا کیا میں سودائی ہوں اور میری سرخواں میں خلل ہو۔ یا کیا میں مقتول کو باطن اور علوم حقہ سے نابل محسن ہوں
یا کیا میں فاسقانہ زندگی بکرنے میں اپنے کنبہ اور محلہ اور اپنے شہر میں مشہود ہوں۔ یا کیا میں مغلس نادار
پیٹ کی غرض سے نت نئے بھروپ بدلتے والا قلاش ہوں۔ یحلم اللہ و الملائکہ یشہدون۔ کہ میں
محمد اللہ ان سب معاف سے بری ہوں۔ ولا اذکی نفسی ولكن اللہ یعنی کی من یشدو۔

تو پھر کس پاٹ نجھ میں الیسی استقامت پیدا کر کھی ہو۔ جو ان سب تعلقات پر غالب آگئی ہے۔
بہت صفات بات اور ایک ہی لفظ میں ختم ہو جاتی ہے اور وہ یہ، امام زمان کی شناخت۔ اللہ اللہ

۱۶۲ اس خط پر اتفاقاً میری نظر پڑی جس کو اخیوم مولوی عبد الکریم صاحب نے اپنے ایک دوست کی طرف لکھا تھا
سو میں نے ایک مناسبت کی وجہ سے جو اس رسالہ کے مضمون سے اس کو سچے چھاپ دیا۔ من

کیا بات ہے جس میں ایسی زبردست قدرت ہے جو سارے ہی سلسلہ کو تواریخ دیتی ہے۔ آپ خوب جانتے ہیں میں تقدیر استطاعت کے کتاب اللہ کے معارف و اسرار سے بہرہ مند ہوں اور پڑھنے گھر میں کتاب اللہ کے پڑھنے اور پڑھانے کے سامنے اور کوئی شغل نہیں ہوتا۔ پھر میں یہاں کیا سیکھتا ہوں۔ کیا وہ گھر میں پڑھنا اور ایک معتمدہ جماعت میں مشاہدیہ اور مطلع الناظر بننا میری روح یا میرے نفس کے بہلائے کو کافی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ واللہ ثم تاکہ ہرگز نہیں۔ میں قرآن کریم پڑھنا لوگوں کو مانتا۔ جسم میں مبہر پر کھڑا ہو کر بُرے پُراثر اخلاقی و عظیں کرتا اور لوگوں کو حساب الہی سے ڈالتا اور نواہی سے بچنے کی تاکیہ کرتا۔ مگر میرا نفس ہمیشہ مجھے اندر اندر ملتیں کرتا کہ **لَعْنَةَ تَقْوَىٰ لَوْلَمْ مَا لَهُ تَقْعُودُنَّ كَبُرْ مَفْتَحٌ** عَنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقْوُىٰ إِمَامًا كَمَا لَتَقْعُودُنَّ مَيْسُرٌ وَلَا يَأْخُذُونَ رُؤْتَنَّ اور میں دوسروں کو رواں اپر خود نہ روتا۔ اور وہ لوٹا کرنے کی اجازت بھی ناگفتی امور سے ہٹاتا اپر خود نہ رہتا۔ چونکہ معتمد ریا کار اور خود غرض مکار نہ تھا۔ اور حقیقت **حصول جہاد و دینی** میرا قبلہ بہت نہ تھا۔ میں کدل میں جب ذاتہا ہوتا ہجوم کر کے یہ خیالات آتے مگر چونکہ اپنی حملہ کے لئے کوئی راہ و روش نے نظر نہ آتا اور بیان ایسے جھوٹے خشک علموں پر قائم ہونے کی اجازت بھی نہ دیتا۔ آخر ان کشاکشوں سے ضعف دل کے سخت مرض میں گرفتار ہو گیا۔ بارہ میں معمم ارادہ کیا کہ پڑھنا پڑھانا اور وعظ از ناقطب اچھوڑ دوں۔ پھر اپک لپک کر اخلاق کی کتابوں۔ تصوف کی کتابوں۔ اور تفاسیر کو پڑھتا۔ احیاء العلوم اور حوارت المعرفت اور فتوحات مکیہ ہر چہار جلد اور کشیرت میں اسی غرض سے پڑھیں اور توجہ پڑھیں اور قرآن کریم تو میری روح کی غذا تھی اور بھرا کشید ہے۔

بچپن سے اور بالکل بے شعوری کے سن سے اس پاک بزرگ کتاب سے مجھے اس قدر انس ہو کے میں اس کا کم وکیت بیان نہیں کر سکتا۔ غرض علم تو بڑھ گیا اور مجلس کے خوش کرنے اور وعظ کو سمجھنے کے لئے طائفت و ظرافت بھی بہت حاصل ہو گئے۔ اور میں نے دیکھا کہ بہت سے بیمار میرے ہاتھوں سچنے کے بھی ہو گئے۔ مگر مجھمیں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوتی تھی۔ آخر بڑے جلس میں کے بعد مجھ پر کھولا گیا کہ زندہ نہونہ یا اس زندگی کے حشمہ پر پہنچنے کے سوا جوانہ رونی الائشوں کو دھوکتا ہو پہیں اترنے والی نہیں۔ ہادی کامل خاتم الانبیاء صلوات اللہ علیہ وسلم نے کس طرح صحابہ کو نہازل سلوک ۲۴ برس میں طے کرائیں۔ قرآن علم تھا اور آپ اس کا سچا عملی نمونہ تھے۔ قرآن کے احکام کی

عقلمند و جبروت کو مجرد الفاظ اور علمی رنگ نہ فرق العادہ رنگ میں قلوب پر نہیں بٹھایا۔ بلکہ ص ۲۷
حضرت پاک علیہ المعلوٰۃ والسلام کے عملی نمونوں اور بے نظیر اخلاق اور دینگر تائیدات سماویہ کی رفتار
اور پیار پیچے ظہور نے ایسا لازوال سلسلہ آپ کے خدام کے دلوں پر جایا۔ خدا تعالیٰ کو چونکہ «سلام
بہت پیار اسے» اور اس کا ابدال صرتک قائم رکھنا منظور ہے۔ اسلئے اس نے پسند نہیں کیا۔ کہیے
مذہب بھی دیگر مذاہب عالم کی طرح قصتوں اور فسانیوں کے رنگ میں ہو کر تقویم پا رہیں ہو جائے۔
اس پاک مذہب میں ہر زمانہ میں زندہ نبوغ موجود رہے ہے میں جنہوں نے علمی اور عملی طور پر حامل
قرآن علیہ صلوات الرحمٰن کا زمانہ لوگوں کو یاد دلایا۔ اسی سُنت کے موافق ہمارے زمانہ میں خدا
تعالیٰ نے حضرت سیح حسین و ایدہ اللہ الودود کو ہم میں کھڑا کیا کہ زمانہ پر وہ ایک گواہ ہو جائے۔
میں نے جو کچھ اس خط میں لکھتا چاہا تھا حضرت اقدس امام صادق علیہ السلام کے وجود پاک کی
ضرورت پر چند وجدانی دلائل تھے۔ اس اثناء میں بعض تحریکات کی وجہ سے خود حضرت اقدس نے
”ضرورت امام“ پر رسول ایک چھوٹا سارہ لکھ دیا ہو جو عنقریب شائع ہو گا۔ ناچار میں نے اس
ارادے کو چھوڑ دیا۔

بانک خریں اپنی نیکی سے بھری ہوئی صحبتون کو آپکے باقاعدہ شخصی ارادت کے ساتھ درس کرتا تھا
میں حاضر ہونے کو آپکے اپنی نسبت کمال حُسنِ ظُنُن کو اور ان سب پر آپکی نیک دل اور پاک تیاری کو
آپکو یاد دلانا اور آپکی ضمیر و شفاف و فطرت مستقیمه کی نعمت میں اپنی کرنماہوں کو آپ سوچیں۔
وقت بہت نازک ہے۔ جس زندہ ایمان کو قرآن چاہتا ہو اور جیسی گناہ سوزاں قرآن سینوں میں پیدا
کرنی چاہتا ہو وہ کہاں ہو۔ میں خدا نے رب عرش عظیم کی سُنم کھا کر اپنے عقین دلانا ہوں۔ وہی ایمان
حضرت نائب الرسول مسیح مسعود کے ہاتھ میں ہاتھ دینیے اور اسکی پاک صحبت میں میٹھنے سے حاصل
ہوتا ہے۔ اب اس کا رخیر میں توقف کرنے سے مجھے خوف ہو کہ دل میں کوئی خوفناک تبدیلی پیدا نہ
ہو جائے۔ دُنیا کا خوف چھوڑ دو اور خدا کیلئے سب کچھ کھو دو کہ لعیناً سب کچھ مل جائیگا۔ والسلام

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
صَلَوةً وَنُصُبَّةً عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

امکم میں اور تازہ نشان

صادق را ہر دم مد آید ز رب اعلیٰ بین	صدق را ہر دم مد آید ز رب اعلیٰ بین
آخرش گرد دنشانی از برائے طالبین	ہر بلکہ از اسمان بر صادق آید فرود

ہمارے بعض نادان شمن دا کٹر کارک کے مقدمہ میں اپنے ناکام ہنے سے بہت غموم اور کوفتہ خاطر تھے۔ کیونکہ انکو ایک ایسے مقدمہ میں جس کا اثر اس راقم کی جان اور عزت پر تھا۔ باوجود بہت سی کوشش کے فاش شکست اٹھاتی پڑی اور نہ صرف شکست بلکہ اس مقدمہ کی میحتان وہ الہامی پیشوائی بھی پوری ہوئی جسکے دوسو سے زیادہ ثقہ اور محترم لوگوں کو خبردی گئی تھی اور جس کو پبلک میں پیش از وقت نجیب شائع کر دیا گیا تھا۔ مگر افسوس کہ ان مخالفوں کی بذقق اور استابکاری سے ایک دوسری شکست بھی انکو نصیب ہوئی۔ لورڈ ویر کر جب کہ ان دونوں میں سرسری طور پر بغیر کسی عدالت کی باضابطہ تحقیق کے اس راقم پر مبلغ مامیلے اٹکنیکس مشخص ہو کر اس کا مطالبه ہوا۔ تو یہ لوگ جن کے نام لکھنے کی حاجت نہیں (عقلمند خود ہی سمجھ جائیگے) اپنے دلوں میں بہت بھی خوش ہوتے اور یہ خیال کیا کہ اگر ہمارا پہلا نشانہ خطأ لگایا تھا۔ تو غصہ تھے کہ اس مقدمہ میں اسکی تلافی ہوئی۔ لیکن کبھی جمکن نہیں کہ بد اندریش اور نفسانی اور فتحیاب ہو سکیں۔ کیونکہ کوئی فتحیاب اپنے منصوبوں اور مکاریوں سے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ایک ہے جو انسانوں کے دلوں کو دیکھتا اور ان کے اندر وقی خیالات کو جاپخا اور ان کے نیات کے موافق آسمان پر سے ہٹکم کرتا ہے۔ سو اُس نے ان تیرہ خیالات لوگوں کی یہ مراد بھی پوری نہ ہونے دی۔ اور بعد تحقیقات کا ایں بنایا، اس تیرہ خیالات کو معاف کیا گیا۔ اس مقدمہ کے یک وفعہ پیدا ہو جانے میں

ایک یہ بھی حکمت الہی تھی کہ تاخدا تعالیٰ کی تائید میری جان اور آبر و اور مال کے متعلق یعنی
تینوں طرح سے اور تینوں پہلوں سے ثابت ہو جائے۔ کیونکہ جان اور آبر کے متعلق تو داکٹر کلارک کے
مقدمہ میں نصرت الہی بپا یہ ثبوت پہنچ چکی تھی۔ مگر مال کے متعلق امر تائید منزوں تھی تھا۔ سو خدا تعالیٰ
کے قابل اور حنایت نے ارادہ فرمایا کہ پہلک کو مال کے متعلق بھی اپنی تائید دھکھلا دے۔ سو اس نے
یہ تائید بھی ظاہر فرمائی تینوں قسم کی تائیدات کا دائرہ پورا کر دیا۔ سو یہی بھید ہے کہ یہ مقدمہ بپا
کیا گی۔ اور جیسا کہ داکٹر کلارک کا مقدمہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اسلئے برپا نہیں ہوا تھا لہجہ کو
ہلاک یا ذلیل کیا جائے بلکہ اسلئے برپا ہوا تھا کہ اس قادر کریم کے نشان ظاہر ہوں۔ ایسا ہی اسی
بھی ہوا اور جس طرح میرے خدا نے جان اور عزت کے مقدمہ میں پہلے سے الہام کے ذریعہ سے یہ
بشارت دی تھی کہ آخر میں بریت ہو گی۔ اور ڈمن شرمسار ہون گے۔ ایسا ہی اس نے اس مقدمہ میں
بھی پہلے سے خوشخبری دی کہ انجام کار ہماری فتح ہو گی اور حسد بد باطن ناکام رہیں گے چنانچہ
وہ الہامی خوشخبری اخیر حکم کے نکلنے کے پہلے ہی ہماری جماعت میں خوب اشاعت پا چکی تھی۔ اور
جیسا کہ ہماری جماعت نے جان اور آبرو کے مقدمہ میں ایک آسانی نشان دیکھا تھا۔ ایں بھی
انہوں نے ایک آسانی نشان دیکھ لیا۔ جو اُنکے ایمان کی زیادت کا موجب ہوا۔ فاصلہ شدہ علی ذلک۔
مجھے بڑا تعجب ہو کہ باوجود یہ نشان پر نشان ظاہر ہوتے جاتے ہیں مگر پھر بھی مولویوں کو
سچائی کے قبول کرنے کی طرف تو جرہیں۔ وہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ہر میدان میں خدا تعالیٰ انکو
شکست دیتا ہے اور وہ بہت ہی چلہتے ہیں کہ کسی قسم کی تائید الہی ان کی نسبت بھی ثابت ہو۔
مگر بھائے تائید کے دن بدین انکا خذلان اور انکا نامراہ ہونا ثابت ہوتا جاتا ہو۔ مثلاً جن دلوں
میں جنتروں کے ذریعہ سے یہ نہ ہو جو اتحاد کے حال کے رمضان میں سورج اور چاند دلوں کو
گرہن لے لے۔ اول لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو جاتا کہ یہ امام موعود کے نہ ہو کا نشان ہے
تو اسوقت مولویوں کے دلوں میں یہ دھڑکہ شروع ہو گیا۔ اتحاد کے مہدی اور سیع ہونے کا ہی تو
یہی ایک شخص میدان میں کھڑا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ اس کی طرف جمک جائیں۔ تب اس

نشان کے چھپانے کے لئے اول تو بعض نے یہ کہنا شروع کیا کہ اس رمضان میں ہرگز کسوف خسوف نہیں ہوگا۔ بلکہ اس وقت ہو گا کہ جب ان کے امام مہدی ظہور فرمائے گے۔ اور جب رمضان میں خسوف کسوف ہو چکا۔ تو پھر یہ بہانہ پیش کیا کہ یہ کسوف خسوف حدیث کے لفظوں کے مطابق نہیں کیونکہ حدیث میں یہ ہے کہ چاند کو گہن اول رات میں لگے گا۔ اور سورج کو گہن درمیان کی تاریخ میں لے لے گا۔ حالانکہ اس کسوف خسوف میں چاند کو گہن تیرھوں رات میں لگا۔ اور سورج کو گہن اٹھا میں تاریخ کو لگا۔ اور جب انکو سمجھایا گیا۔ کہ حدیث میں ہمینہ کی پہلی تاریخ مراد نہیں۔ اور پہلی تاریخ کے چاند کو قمر نہیں کہہ سکتے۔ اس کا نام توہالہ ہے۔ اور حدیث میں قمر کا لفظ ہے توہالہ کا لفظ۔ سو حدیث کے معنے یہ ہیں کہ چاند کو اس پہلی رات میں گہن لئے گا جو اس کے گہن کی راتوں میں سے پہلی رات ہے یعنی ہمینہ کی تیرھوں رات۔ اور سورج کو درمیان کے دن میں گہن لے لے گا۔ یعنی اٹھا میں تاریخ جو اس کی گہن کی دنوں میں سے درمیانی دن ہے۔

تب یہ نادان مولوی اس صحیح مختصر کو سنکریت شرمندہ ہوئے اور پھر برڑی جانکاری سے یہ دوسرا عذر بنا کر حدیث کے رجال میں سے ایک راوی اچھا آدمی نہیں ہے۔ تب انکو کہا گیا کہ جب کہ حدیث کی پیشگوئی پوری ہو گئی تو وہ جرح جسکی بنا شک پر ہے۔ اس لعینی واقعہ کے مقابل پر جو حدیث کی صحت پر ایک قوی دلیل ہے کچھ چیز ہی نہیں۔ یعنی پیشگوئی کا پورا ہونا یہ گواہی دے رہا ہے کہ یہ صادق کا کلام ہے۔ اور اب یہ کہنا کہ وہ صادق نہیں بلکہ کاذب ہے۔ بدیہیات کے انکار کے حکم میں ہے اور ہمیشہ سے ہی اصول محمدیں کا ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ

۱۵ یہ قانون قدرت ہے کہ چاند گہن کیلئے ہمینہ کی تین رات مقرر ہیں یعنی تیر ۱۳، چودھویں ۱۴ پندرھویں۔ اور ہمیشہ چاند گہن ان تین راتوں میں گذاشتے ہیں اس حساب سے چاند گہن کی پہلی رات تیرھوں رات ہے جسکی طرف حدیث کا اشارہ ہے اور سورج گہن کے دن ہمینہ کی ستائیں ۱۴ اور اٹھا میں ۱۵ میں اور انتیسویں تاریخ ہے اپس اس حساب سے درمیانی دن سورج گہن کا اٹھا میں ہوا ہے۔ اور انہیں تاریخ میں گہن میں لگا۔ منہ

شک یقین کو رفع نہیں کر سکتا۔ پیشگوئی کا اپنے مفہوم کے مطابق ایک معنی جہد ویت کے زمانہ میں پوری ہو جانا اس بات پر یقینی گواہی ہے کہ جس کے منزے سے یہ کلامات نکلے تھے اس نے سچ بولا ہے۔ لیکن یہ کہنا اسکی حوالہ چلن میں میں کلام ہو۔ یہ ایک شکی امر ہے اور کبھی کاذب بھی سچ بولتا ہے۔ ماسو اس کے یہ پیشگوئی اور طرق سے بھی ثابت ہے۔ اور حنفیوں کے جھن اکابر نے بھی اسکو لکھا ہے تو پھر انکار شرط انصاف نہیں ہو بلکہ سراسر ہٹ دھرمی ہے۔ اور اس دن ان شکن جواب کے بعد انہیں یہ کہنا پڑا کہ یہ حدیث تو صحیح ہے۔ اور اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ عنقریب امام موعود ظاہر ہو گا۔ مگر یہ شخص امام موعود نہیں ہے بلکہ وہ اور ہو گا۔ جو بعد اس کے عنقریب ظاہر ہو گا۔ مگر یہ انکا جواب بھی بودا اور باطل ثابت ہو۔ اکیونکہ الگ کوئی اور امام ہوتا۔ تو جیسا کہ حدیث کا مفہوم ہر وہ امام صدی کے سر پر آنا چاہیئے تھا۔ مگر صدی سے بھی پندرہ برس گزر گئے اور کوئی امام ان کا ظاہر نہ ہوا۔ اب ان لوگوں کی طرف سے آخری جواب یہ ہے کہ یہ لوگ کافر ہیں انہی کتابیں ملت دیکھو۔ ان سے طاپ مت رکھو۔ انکی بات مت سنو کہ انکی باتیں دلوں میں اثر کرتی ہیں۔ لیکن کس قدر عبرت کی جگہ ہو کہ آسمان بھی ان کے مخالفت ہو گی۔ اور زمین کی حالت موجودہ بھی مخالفت ہو گئی۔ یہ کس قدر اُنہی ذلت ہے کہ ایک طرف آسمان اُنکے مخالفت گواہی دے رہا ہے۔ اور ایک طرف زمین صلیبی غلبہ کی وجہ سے گواہی دے رہی ہے۔ آسمان کی گواہی دارقطنی وغیرہ کتابوں میں موجود ہے۔ یعنی رمضان میں خسوف کسوف اور زمین کی گواہی صلیبی غلبہ ہے جس کے غلبہ میں سچ موعود کا آنحضرتی تھا۔ اور جیسا کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث موجود ہے۔ یہ دونوں شہزادیں ہماری مولید اور انکی مذہب ہیں۔ پھر لیکھا امام کی موت کا جو نشان ظاہر ہوا اس نے بھی ان کو کچھ کم شرمندہ نہیں کیا۔ ایسا ہی ہوتا جو جلسہ یعنی قوموں کا مذہبی جلسہ تسبیں میں ہمارا مضمون بطور نشان غالب رہا تھا۔ کچھ کم نداہت کا موجب نہیں ہوا۔ کیونکہ اس میں نہ صرف ہمارا مضمون غالب رہا۔ بلکہ یہ واقعہ پیش از وقت الہام ہو کر بذریعہ استثناء شائع کر دیا گیا۔ کاشش اگر

آئتمم ہی زندہ رہتا۔ تو میاں محمد سین بٹالوی اور اسکے سمجھنے والوں کے ہاتھ میں جھوٹی تاویل کی کچھ گنجائش رہتی مگر آئتمم بھی جلد مر کر ان لوگوں کو برپا کر گیا۔ جب تک وہ چپ رہا زندہ رہا اور پھر منہ کھولتے ہی الہامی شرط نے اسکو لے لیا۔ خدا تعالیٰ نے الہامی شرط کے موقف اسکو عمردی اور جبھی سے کہ اس نے تکذیب شروع کی۔ اسی وقت سے عوارض شدیدہ نے اس کو ایسا پکڑا کہ بہت جلد اسکی زندگی کا غایہ کر دیا۔ لیکن چونکہ یہ ذلت بعض نادان مولویوں کو محسوس نہیں ہوتی تھی اور شرطی پیشگوئی کو بعض شرارت سے انہیں نہ یوں دیکھا کہ گویا اس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہ تھی اور آئتمم کی سراسیگی اور زبان بند زندگی سے جو پیشگوئی کے ایام میں بدیہی طور پر رہی۔ انہوں نے دیانتداری سے کوئی نتیجہ نہ نکالا۔ اور جو آئتمم قسم کیلئے بلا گیا اور ناشکیلے اگسایا گیا۔ اور وہ انکار سے کافل پر ہاتھ رکھتا رہا۔ ان تمام امور سے ان کو ہدایت نہ ہوتی۔ اسلئے خدا نے جو اپنے نشانوں کو شہر میں چھوڑنا نہیں چاہتا لیکھرام کی پیشگوئی کو جسکے ساتھ کوئی شرط نہ تھی اور جمیں تاریخ اور دن اور صورت ہوتی ہی کس طریق سے مر گی۔ سب بیان کیا گیا تھا۔ تمام ججت کیلئے کمال صفائی سے پورا کیا۔ مگر افسوس کے سچائی کے مخالفوں نے اس کھل کھلا انشدمالی کے نشان سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ ظاہر ہے کہ اگر میں جھوٹا ہو تو لیکھرام کی پیشگوئی میرے ذمیل کرنے کیلئے بڑا عذر موقعہ تھا۔ گیونکہ اسکے ساتھ کوئی بھی شرط نہ تھی۔ اور اسیں صاف طور پر پیشگوئی کے ساتھ ہی میں نے اپنا اقرار لکھ کر شائع کر دیا تھا کہ اگر یہ پیشگوئی جھوٹی تو میں جھوٹا ہوں اور ہر ایک سزا اور ذلت کا سزا دا رہوں۔ سو اگر میں جھوٹا ہو تو ایسے موقعہ پر جب کہ قسمیں کھا کر یہ پیشگوئی جو کوئی شرط نہیں رکھتی تھی۔ شائع کی گئی تھی۔ ضرور تمکاں خدا تعالیٰ مجھ کو رُسو اکرتا۔ میرا اور میری جماعت کا نام و نشان مٹا دیتا۔ سو خدا نے ایسا کیا بلکہ اس میں میری عزت ظاہر کی۔ اور جن لوگوں نے نادانی سے آئتمم کے متعلق کی پیشگوئی کو نہیں سمجھا تھا۔ انکے دلوں میں بھی اس پیشگوئی سے روشنی ڈالی۔ کیا یہ سوچنے کا مقام نہیں ہے کہ ایسی پیشگوئی میں جسکے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں تھی۔ اور جس کے خطا جانے سے میری نام

کشتی عرق ہوتی تھی۔ خدا نے کبوں میری تائید کی اور کیوں اسکو پوری گر کے صد بار لوں میں میری محبت ڈال دی۔ یہاں تک کہ بعض سخت و شنون نے روئے ہوئے اگر بیعت کی۔ الگریہ پیشگوئی پوری نہ ہوتی۔ تو میاں بٹالوی صاحب خود سوچ لیں کہ کس شد و مسے وہ اشاعتۃ اللہ میں تکذیب کے مضامین لکھتے اور کیا کچھ انکا دنیا پر اثر ہوتا۔ کیا کوئی سوچ سکتا ہو کہ خدا نے ایسے موقعہ پر کیوں بٹالوی اور اسکے بخیال لوگوں کو تشرمندہ اور ذلیل کیا۔ کیا قرآن میں نہیں ہو کہ خدا کہہ چکا ہو کہ وہ ہونوں کو غالب کرتا ہے۔ کیا اگر یہ پیشگوئی جو ایک ذرہ بھی شرط اپنے ساتھ نہیں رکھتی تھی اور ایک بھاری مخالفت کے حق میں تھی جو جصیہ دانت پیستا تھا۔ جھوٹی نکلتی تو گیا اس صاف فیصلہ کے بعد میرا کچھ باقی رہ جاتا۔ اور کیا یہ صحیح نہیں ہو کہ اس پیشگوئی کے جھوٹے نکلنے پر شیخ محمد حسین بٹالوی کو ہزار عید کی خوشی ہوتی۔ اور وہ طرح طرح کے ٹھٹھے اور ہنسی کا اپنے کلام کو زنگ دیکھ رسالہ کو نکالتا اور کئی جلسے کرتا۔ لیکن اب پیشگوئی کے سچی نکلنے پر اُس نے کیا کیا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اس نے خدا کے ایک عظیم الشان کام کو ایک رتی چیز کی طرح پھینک دیا اور اپنے منہوس رسالہ میں یہ اشارہ کیا کہ لیکھرام کا یہی شخص قاتل ہو۔ سو میں کہتا ہوں کہ میں کسی انسانی حریب کے ساتھ قاتل نہیں۔ ہاں آسمانی حریب کے ساتھ یعنی دعا کے ساتھ قاتل ہوں اور وہ بھی اسکے الحاج اور درخواست کے بعد میں نے نہیں چاہا کہ اسپر بدعا کروں مگر اُس نے آپ چاہا۔ سو میں اس کا اسی طرح کا قاتل ہوں جس طرح کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خسر و پر ویز شاہ ایران کے قاتل تھے۔ غرض لیکھرام کا مقدمہ محمد حسین پر خدا تعالیٰ کی جنت پوری کر گیا اور ایسا ہی اسکے اور بھائیوں پر۔ پھر بعد اسکے داکٹر کلارک کے مقدمہ میں خدا کا ناشان ظاہر ہوا اور وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو آخر حکم سے پہلے صد بار لوگوں میں پھیل چکی تھی۔ اس مقدمہ میں صحیح بٹالوی کو وہ ذلت پیش آئی کہ اگر سعادت یاد ری کرتی تو بلا ذوق توبہ لخوب کرتا۔ اسپر خوب کھل گیا کہ خدا نے اس کی تائید کی۔ یاد رہے کہ کلارک کے مقدمہ میں محمد حسین نے عیسائیوں کے ساتھ شامل ہو کر میری تباہی کے

لئے ناخوں تک زور لگایا تھا۔ اور میرے ذلیل کرنے کے لئے کوئی وقیفہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ آخر میرے خدا نے مجھے برجی کیا اور علیں کچھری میں کرسی مانگنے پر وہ ذلت اسکے نصیب ہوئی جس سے ایک شریف آدمی مارے خدمت کے مردختا ہے۔ یہ ایک صادق کی ذلت پہنچنے کا نتیجہ ہے۔ کرسی کی درخواست پر اُسکو صاحب طپی کمشنر بہادر نے جھر کیاں دیا اور کہا کہ کرسی نہ کبھی تجدوں میں اور نہ تیرے باپ کو اور جھر کر قیچے ہسیا اور کہا کہ سید حاکم اپنے جا۔ اور اسپر موت پر موت یہ ہوئی کہ ان جھڑکبیوں کے وقت یہ عاجز صاحب طپی کمشنر کے قریب ہی رُسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ جسکی ذلت دیکھنے کیلئے وہ آیا تھا۔ اور مجھے کچھ ضرورت نہیں کہ اس واقعہ کو بار بار لکھوں۔ کچھری کے افسر موجود ہیں۔ اُنکا عملہ موجود ہے۔ اُن سے پوچھنے والے پوچھلیں۔

اب سوال تو یہ ہو کہ خدا تعالیٰ کا قرآن شریف میں وحدہ ہر کوہ وہ مومنوں کی تائید کرتا ہے اور انہیں عزت دیتا ہے اور جھوٹوں اور دجالوں کو ذلیل کرتا ہے۔ اور پھر یہ اُلطی ندی کمیں بینے لئے کہہ رکیے میلان میں محمد سین کو ہی ذلت اور رسولی اور بے عزتی نصیب ہوئی گئی۔ کیا خدا تعالیٰ کی اپنے پیاروں سے بی بی عادت ہے۔ اب میکس کے مقدمہ میں شیخ بنا لوی صاحب کی یہ خوشی تھی کہ کسی طرح شیکس لگ جائے تا اسی مفہوم کو لمبا پورا کر کے اشاعت۔ اس نہ کرو فتن دیں تا پہلی ذلتوں کی کسی تدریپ پر وہ پوشاک ہو سکے۔ سو اسیں بھی وہ نامہ دہی رہا۔ اور صاف طور پر معافی کا حکم آگیا۔ خدا نے اس مقدمہ کو ایسے حکام کے ہاتھ میں دیا جنہوں نے سچائی اور ایمانداری سے عدالت کو پورا کرنا تھا اور نصیب باندیش اس حملہ میں بھی محروم رہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس شیخ حکام بالنصاف پر اصل حقیقت کھول دی۔ اور اس بندگی میں بہناب مسٹر ڈیکسون صاحب بہادر طپی کمشنر ضلع گور داسپورہ کا شکر کرنا چاہیئے جس کے دل پر خدا تعالیٰ نے واقعی حقیقت مٹکشت کر دی۔ اکا وجہ سے ہم ابتداء سے انگریزی حکومت اور انگریزی حکام کے شکر لگزار اور مذاح اور شناخوان ہیں کہ وہ انصاف کو بہر حال مقدم رکھتے ہیں۔ کپتان داگلس صاحب بین کمشنر نے داکٹر خارک کے مقدمہ فوجداری میں اور مسٹر ڈیکسون صاحب نے اس انگلیکس کے مقدمہ میں ہمیں انگریزی

عدالت اور حق پسندی کے دو ایسے نمونے دیئے ہیں جن کو ہم مدت العصر میں کبھی بھول نہیں سکتے۔ کیونکہ پیتاں و مکمل صاحب کے سامنے وہ نازک مقدمہ آیا تھا جس کا فرقی مستحب است ایک معوزہ عیسائی تھا۔ اور جسکی تائید میں گویا پہنچا کے تمام پادری تھے لیکن صاحب موصوف نے اس بات کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی کہ یہ مقدمہ کس گروہ کی طرف سے ہے۔ اور پورے طور پر عدالت سے کام لیا اور مجھے بری کیا۔ اور ہم مقدمہ اب مشریقی ڈیکسن صاحب کے زیر تجویز آیا۔ یہ بھی نازک تھا۔ کیونکہ ڈیکسن کی معافی میں سرکار کا نقصان ہے۔ سو صاحب موت خالہ کرنے بھی سراسر محکمہ اور انصاف پسندی اور حصن عدل سے کام لیا۔ میری دلنشت میں اس قسم کے حکام گورنمنٹ کی رعایا پر وری اور نیک نیتی اور اصول انصاف کے روشن نمونے ہیں۔ اور واقعی امر یہی تھا جس امر تک مشریقی ڈیکسن صاحب کا روشن خیال ہے پچ گیا۔ سو ہم شکر بھی کرتے ہیں اور دعا بھی۔ اور اس بھگہ محنت اور تفتیش ملشی ناج الدین صاحب تحصیلدار پر گزہ بمالہ قابل ذکر ہے۔ جنہوں نے انصاف اور احراق حق مقصود رکھ کر واقعات صحیحہ کو آئینہ کی طرح حکام بالادست کو دکھلا دیا۔ اور اس طرح پر ٹھیک ٹھیک اصلاحیت تک پہنچنے کیلئے ان حکام کو مددوی۔ اب وہ مقدمہ یعنی تحصیلدار صاحب کی رائے اور صاحب ڈپی کمشٹر بہادر کا اخیر حکم ذیل میں لکھا جاتا ہے:-

نقیل پور ط منتشری ناج الدین صاحب تحصیلدار پر گزہ بمالہ ضلع گوردا سپور مقدمہ عذردار ڈیکسن

مشمولہ مثل اجلاسی مشریقی ڈیکسن صاحب ڈپی کمشٹر بہادر

مرجوع ۲۶ جون ۹۸ قبضہ، اسٹبر ۹۸۔ نمبر مقدمہ ۴۷

مش عذرداری انکمیٹ ڈیکسن مسی مرا غلام احمد ولد غلام مرتضی ذات مغل

سکنہ قادریان۔ تحصیل بمالہ۔ ضلع گوردا سپور

بحضور جناب والاشان جناب صاحب ڈپی کمشٹر بہادر ضلع گوردا سپور

جناب عالی۔ مرا غلام احمد قادریانی پر اس سال ماحصلہ انکمیٹ ڈیکسن تشیص ہوا تھا۔ اسکے

پیشتر مرزا غلام احمد پر کبھی تکمیل نہیں ہوا۔ چونکہ میکس نیا لگایا تھا۔ مرزا غلام احمد نے اپنے
حالت حضور میں خدا داری دائر کی جو بنابر و ریافت پر درکمہہ ہذا ہوئی۔ پیشتر اسکے کہ نکمہ میکس کے
متعلق جس قدر تحقیقات کی گئی ہے اس کا ذکر کیا جائے۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادریانی
کا کچھ ذکر گوش گذا رحضور کیا جاوے تاکہ معلوم ہو کہ خدا کون ہوا اور کس حیثیت کا آدمی ہے۔
مرزا غلام احمد ایک پُرانے مقرر خاندان مغل میں سے ہے جو موضع قادیان کا بیس تھا۔ اسٹی اپنی وفات پر ایک
اس کا والد مرزا غلام تھنی ایک مقرر زیندار تھا اور موضع قادیان کا بیس تھا۔ اسٹی اپنی وفات پر ایک
محقول ہادا دچھوڑی۔ اسیں سوچ کر جائیداد تو مرزا غلام احمد کے پاس اب بھی ہوا اور کچھ مرزا سلطان احمد
پسر مرزا غلام احمد کے پاس ہے جو اسکو مرزا غلام قادر مرحوم کی بیوی کے توسل سے مل ہے یہ جائیداد اکثر
زندگی مشلاً بارغ، زمین اور تعلقہ داری چند دیہا ہے۔ اور چونکہ مرزا غلام تھنی ایک مقرر زمیں آدمی تھا۔
میکن ہوا اور بیرونی راستے میں اغلب ہے کہ اس نے بہت سی نعمتی اور زیورات بھی چھوڑتے ہوں لیکن اسی
جائیداد غیر منقولہ کی نسبت قابل اطمینان شہادت نہیں گذری۔ مرزا غلام احمد ابتداً ایام میں خود طاؤ
کرتا رہا ہے۔ اور اس کاظری عمل ہمیشہ سے ایسا رہا ہے کہ اس سے امید نہیں ہو سکتی کہ اس نے
اپنی آمدی یا اپنے والد کی جائیداد نعمتی و زیورات کو تباہ کیا ہو۔ جو جائیداد غیر منقولہ اسکو باپ
و داداشتہ بھی ہے وہ تواب بھی موجود ہے۔ لیکن جائیداد غیر منقولہ کی نسبت شہادت کافی نہیں
ہے لیکن ہر حال مرزا غلام احمد کے حالات کے لحاظ سے یہ طائفت کے ساتھ کہا جا سکتا
ہے کہ وہ بھی اس نے تلف نہیں کی۔ کچھ مدت سے مرزا غلام احمد نے ملازمت وغیرہ چھوڑ کر پہنچے
مذہب کی طرف رجوع کیا۔ اور اس امر کی ہمیشہ سے کوشش کرتا رہا کہ وہ ایک مذہبی سرگروہ مانا جاؤ
آئی۔ نہ چند مذہبی کتابیں شائع کیں۔ رسالہ جات لکھے اور پہنچے خیالات کا انٹھا بذریعہ انتہارات
کیا۔ چنانچہ اس کل کارروائی کا نیتیجہ ہوا کہ کچھ عرصہ سے ایک متعدد اشخاص کا گروہ جس کی
فہرست (بمرووف انگریزی) منساق ہذا ہے۔ اس کو اپنا سرگروہ مانتے لگ گیا۔ اور بطور
ایک علیحدہ فرقہ کے قائم ہو گیا۔ اس فرقہ میں حسب فہرست منسلکہ ہزار ۱۸۳۰ آدمی ہیں جنہیں

بل اشیبہ بعض اشخاص جن کی تعداد زیادہ نہیں معموز اور صاحب علم ہیں۔ مرزا غلام احمد کا گروہ جب کچھ بڑھنے لگا۔ تو اس نے اپنی کتب "فتح اسلام" اور "توضیح مرام" میں اپنے اغراض کے پورا کرنے کیلئے اپنے پیر و والوں سے چندہ کی درخواست کی اور ان میں پانچ مذات کا ذکر کیا جن کے لئے چندہ کی ضرورت ہے۔ چونکہ مرزا غلام احمد پر اسکے مرید ان کا احتقاد ہو گیا۔ رفتہ رفتہ انہوں نے چندہ بھیجنے شروع کیا اور اپنے خطوط میں بعض دفعہ تو تخصیص کر دی کہ ان کا چندہ ان پانچ مذوق میں سے فلاں مذوق لگایا جائے۔ اور بعض دفعہ مرزا غلام احمد کی رائے پر چھوڑ دیا کہ جس مذوق میں سے حضور مسیح خیال کریں صرف کریں۔ چنانچہ حسب بیان مرزا غلام احمد عذردار اور بقیہ شہادت گواہاں چندہ کے روپیہ کا حال اسی طرح ہوتا ہے۔ الغرض یہ گروہ اس وقت بطور ایک ٹھہری سوسائٹی کے ہے جس کا سرگرد مرزا غلام احمد ہے۔ اور باقی سب پیر و والوں ہیں۔ اور چندہ باہمی سے اپنے سوسائٹی کے اغراض کو پہلوک پُورا کرتے ہیں۔ جن پانچ مذات کا اور پر ذکر ہوا ہے وہ حسب ذیل ہیں:-

اول ہمہان خانہ۔ جس قدر لوگ مرزا غلام احمد کے پاس قادیانی میں آتے خواہ وہ مرید ہوں یا نہ ہوں لیکن وہ مذہبی تحقیقات کیلئے آئے ہوں انکو وہاں سے کھانا ملتا ہے اور حسب بیان تحریری مختار مرزا غلام احمد اس مذکورے چندہ میں سے سافروں، یقیموں اور بیواؤں کی بھی مدد اکی جاتی ہے۔ دوم مطبع۔ اس میں مذہبی کتابیں اور اشتہارات چھاپے جاتے ہیں اور بعض دفعہ لوگوں میں مفت تقسیم ہوتے ہیں۔

سوم مدرس۔ مرزا غلام احمد کے مریدوں کی طرف سے ایک مدرس قائم کیا گیا ہے لیکن اسکی ایسی ابتدائی حالت ہے اور اس کا اہتمام مولوی نور الدین کے پر در ہے جو مرزا غلام احمد کا ایک مرید خاص ہے۔

چہارم سالانہ اور دیگر جلسے جاتے۔ اس گروہ کے سالانہ جلسے بھی ہوتے ہیں۔ اہم جلسوں کے سرانجام دینے کے لئے چندہ فراہم کیا جاتا ہے۔

پنجھ خط و کتابت۔ حسب بیان تحریری مختار مرزا غلام احمد اور شہادت گواہان ایں بہت سا روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ مذہبی تحقیقات کے متعلق جست قدر خط و کتابت ہوتی ہو اس کیلئے مزید مدد چندہ لیا جاتا ہے۔ الفرض حسب بیان گواہان ان پانچ مددوں میں چندہ کار و پیہ خرچ ہوتا ہے اور ان ذرا اُخ سے مرزا غلام احمد کو اپنے مزیدوں کے لیے خیالات مذہبی کی اشاعت کرتا ہو یہ تو سائی ایک مذہبی گروہ ہے اور پونکہ حضور کو اس گروہ کی نسبت پیشتر سے علم ہے۔ اسکے اسی مختصر خالک پر اتفاقی جاتی ہے۔ اور اب اصل درخواست عذرداری کے متعلق گزارش کی جاتی ہے۔

مرزا غلام احمد پر امسال ۲۰۰۷ء روپیہ اسکی سالانہ آمدنی قرار دیکر مانع ہے اسکی قرار دیا گیا۔ اسکی عذرداری پر اسکا اپنا بیان خاص موضع قادیانی میں جبکہ کمترین تقریب دوڑا اس طرف گیا لیا گیا۔ اور تیراں کس گواہان کی شہادت تلمبدنگی کی۔ مرزا غلام احمد نے اپنے بیان حلقوں میں لکھوا یا کہ اسکو تعلق داری، زمین اور باغ کی آمدنی ہے۔ تعلق داری کی سالانہ تخمیناً ۱۰۰ کی۔ زمین کی تخمیناً تین سور روپیہ سالانہ کی اور باغ کی سالانہ تخمیناً دو سو تین سور روپیہ چار سو اور مدد رجہ پانسور روپیہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ اسکو کسی قسم کی اور آمدنی نہیں ہے۔ مرزا غلام احمد نے یہ بھی بیان کیا کہ اسکو تخمیناً پانچ ہزار دو سور روپیہ سالانہ مزیدوں سے اس سال پہنچا ہے ورنہ اوس طس سالانہ آمدنی قریباً چار ہزار روپیہ کے ہوتی ہے وہ پانچ مددوں میں جن کا ذکر اور پہ کیا گیا خرچ ہوتی ہے اور اسکی ذاتی خرچ میں نہیں آتی۔ خرچ اور آمدنی کا حساب باطن بالطف کوئی نہیں ہے۔ صرف یادداشت سے تخمیناً لکھوا یا ہے۔ مرزا غلام احمد نے یہ بھی بیان کیا کہ اسکی ذاتی آمدنی باغ، زمین اور تعلق داری کی اسکے خرچ کیلئے کافی ہے اور اسکو کچھ ضرورت نہیں ہو کر وہ مزیدوں کا رکاوہ کرے۔ شہادت گواہان بھی مرزا غلام احمد کے بیان کی تائید کرتی ہے۔ اور بیان کیا جاتا ہو کہ مزیدان بطور سخیرات پانچ مددات مذکورہ بالا کے لئے روپیہ مرزا غلام احمد کو پیسجتے ہیں۔ امداد ہی مددات میں خرچ ہوتا ہے۔ مرزا غلام احمد کی اپنی ذاتی آمدنی سوائے آمدنی تعلق داری، زمین اور باغ کے اور نہیں ہے جو قابل سیکس ہو۔ گواہان میں سے چھ گواہ کو معتبر

اشخاص ہیں لیکن مرزا صاحب کے مُرید ہیں اور اکثر مرزا غلام احمد کے پاس رہتے ہیں۔ دیگر سات گواہ مختلف قسم کے ہو گا اور میں جن کو مرزا صاحب سے کچھ تعلق نہیں رہو۔ بالعموم یہ سب گواہان مرزا غلام احمد کے بیان کی تائید کرتے ہیں۔ اور اسکی ذاتی آمدی سوائے آمدی تعلقہ داری، زمین اور باغ کے اور کسی قسم کی نہیں بتلاتے۔ میں نے موقع پر بھی خفیہ طور سے مرزا غلام احمد کی ذاتی آمدی کی نسبت بعض اشخاص سے دریافت کیا۔ لیکن اگرچہ بعض اشخاص سے معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد کی ذاتی آمدی بہت ہے، اور یہ قابلِ ثیکیں ہے لیکن کہیں سے کوئی بین ثبوت مرزا صاحب کی آمدی کا ذمہ سکتا۔ زبانی تذکرات پاسے گئے۔ کوئی شخص پُر اپو را ثبوت نہ دے سکا۔ میں نے مو ضعف قادیانی میں مدرسہ اور مہمان خانہ کا بھی ملاحظہ کیا۔ مدرسہ ابھی ابتدائی حالت میں ہے اور اکثر بھارت خام بنا ہوا ہے۔ اور کچھ مُریدوں کیلئے بھی گھربت ہوئے ہیں۔ لیکن مہما خانہ میں واقعی مہمان بائے گئے اور یہ بھی دیکھا گیا کہ جس قدر مُرید اس روز قادیانی میں موجود تھے۔ انہوں نے مہما خانہ سے کھانا کھایا۔

گکتریں کی رائج ناصیح میں اگر مرزا غلام احمد کی ذاتی آمدی صرف تعلقہ داری اور باغ کی قرار دیجائے جیسا کہ شہادت سے عیاں ہوا۔ اور جس قدر آمدی مرزا صاحب کو مُریدوں سے ہوتی ہے اسکو خیرات کا روپیہ قرار دیا جائے جیسا کہ گواہان نے بالعموم بیان کیا۔ تو مرزا غلام احمد پر موجودہ انہم میکس بحال نہیں نہ سکتے لیکن جب کہ دوسرا طرف یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مرزا غلام احمد ایک معزز اور بھاری خاندان سے ہے اور اسکے آبا اور اجداد ربیس رہے ہیں اور انکی آمدی معمول رہی ہے اور مرزا غلام احمد خود طازہ مرحوم ہے اور آسونہ حال رہا ہے تو ضرور گمان لگزد رہا ہے کہ مرزا غلام احمد ایک مالدار شخص ہے اور قابلِ ثیکیں ہے۔ مرزا صاحب کے اپنے بیان کے مطابق حال ہی میں اسے اپنایا باغ اپنی زوج کے پاس گرو رکھکر اس سے چار ہزار روپیہ کا زیور اور ایک ہزار روپیہ نقدوں صول پایا ہے۔ تجویز شخص کی حورت السقدر روپیہ دے سکتی ہو اسکی نسبت گمان لگزد تر ہے کہ وہ مالدار ہو گا۔ گکتریں نے جس قدر تحقیقات کی، تو وہ شامل مشعل ہوا ہے۔ اور تعیین حکم حضور پورٹ ہڈا اور سال خدمت حضور ہے۔ المرقوم اسلام آشت ۱۸۹۸ء۔

مکررین تلحیح الدین تحسیلدار طبال مکرر آنکہ مختار و کیل مرزا غلام احمد کو حضور کی حد ذات میں صاف ہونے کے لئے ۲۹ ستمبر ۱۹۹۷ء کی تابیر خ دی گئی ہے۔ تحریر بتایر خ صدر۔ و سخنخط حاکم نقل حکم در میانی بصیرت خ عذر داری میکس اجلاسی ڈی ڈیکسن صاحب پی مشتری بہادر گورداپور مثل عذر داری انکو میکس مسمی مرزا غلام احمد ولد غلام مرتضی ذات مخل سکنہ موضع قادیانی تحسیل طبال ضلع گورداپور

آج یہ کاغذات پیش ہو کر رپورٹ تحسیلدار صاحب سماحت ہوئی۔ فی الحال یہ مثل زیر تجویز رہے۔ شیخ علی احمد و کیل اور مختار عذر دار حاضر ہیں۔ ان کو اطلاع دیا گیا۔

تحریر ۹ ۳ ۹۸ د سخنخط حاکم

نقل ترجیح حکم اخیر بصیرت خ عذر داری میکس اجلاسی مشری ڈیکسن صاحب بہادر ڈیکی مشتری ضلع گورداپور

ترجیح حکم

میکس جدید بصیرت خ صاحب کی گئی ہے اور مرزا غلام احمد کا دعویٰ ہے کہ تمام اس کی آمد فی اس کی ذاتی کار و بار پر خرچ نہیں ہوتی۔ بلکہ اس فرقہ کے اخراجات پر صرف ہوتی ہے کہ جو اس نے قائم کیا ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ اس کے پاس اور جامداد بھی ہے۔ لیکن اس نے تحسیلدار کے سامنے بیان کیا کہ وہ آمد فی بھی کہ جواز قسم آمدی امراضی وزراحت کی ہو اور زیر و فہرہ (ب) مستثنی ہے مذہبی اخراجات میں جاتی ہے۔ ہمیں اس شخص کی نیک نیتی پر شبہ کرنے کے لئے کوئی وجہ معلوم نہیں کرتے اور ہمہ اسکی آمد فی کو جائز ہے۔ وہ ۵۲۰/- روپیہ بیان کرتا ہے معاف کرتے ہیں۔ کیونکہ زیر و فہرہ (۵) (حکم) محض مذہبی اغراض کے لئے وہ صرف دل کی جاتی ہے۔ لہذا حکم ہٹوا کے بعد تحسیل ضابطہ کا غذات نہ داخل دفتر کئے جاویں۔

تحریر ۹ ۳ ۹۸

مقام ڈاہوڑی ————— و سخنخط حاکم

اس جگہ ہم اصل انگریزی اخیر حکم کی نقل بھی مدد ترجیح کر دیتے ہیں:-

In the Court of F.T. Dixon Esquire Collector of the District of Gurdaspur.

Income Tax objection case No. 46 of 1898.

Mirza Ghulam Ahmad son of Mirza Ghulam Murtaza, caste Mughal, resident of mauza Qadian Mughlan, Tahsil Batala, Distt. of Gurdaspur objector

ORDER

This tax is a newly imposed one and Mirza Ghulam Ahmad claims that all his income is applied not to his personal but to the expenses of sect he has founded. He admits that he has other property but he stated to the Tashildar that even the proceeds of that which is classed as land and the proceeds of agriculture and is exempt under 5 (b) go to his religious expenses. I see no reason to doubt the bona fides of this man, whose sect is well known, and I exempt his income from subscriptions which he states as 5200/- Under Sec 5 (c) as being solely employed in religious purposes.

Sd T. Dixon
Collector

17-9-1898

ترجمہ

بعدالت فی دلخیں صاحب بہاودلکلکٹر ضلع گورداپور
مقدمہ علیہ بابت شریعت و اسلامیت میں دلخیں
مرزا غلام احمد صاحب ولدمز افلام مرتفعہ قوم مغل ساکن میونچ قادیانی مغلان
تحصیل بیلاض ضلع گورداپور عذر وار

حُکم

یہ میں اب کے ہی لگایا گیا ہے اور مرزا غلام احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ یہ

تمام آمدنی میری جماعت کے لئے خرچ ہوتی ہے۔ میرے ذاتی خرچ میں نہیں آتی۔ وہ اس بات کو بھی بقول کرتے ہیں کہ میری اور بھی جاندا ہے۔ لیکن تحصیل دار صاحب کے سامنے انہوں نے بیان کیا ہے کہ اس میری جاندا لوگی آمدنی بھی جواز قسم زمین ہے۔ اور پیداوار زراعت ہے اور زیر دفعہ (دب)، انٹم ٹیکس سے بری ہے۔ دینی صارف میں ہی کام آتی ہے۔ اس شخص کے اٹھار نیک نیتی میں مجھے شک کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ جس کی جماعت کو ہر ایک جانتا ہے میں ان کی چندوں کی آمدنی کو جس کی تعداد وہ ۷۰۰۰۰ پڑا رہ بیان کرتے ہیں اور جو محض دینی کاموں میں خرچ ہوتی ہے۔ زیر دفعہ (داب)، انٹم ٹیکس سے بری کرتا ہوں۔

و تخطیقی دلکش صاحب، بہادر لکھنور

۹۸ شمارہ
ماہ ستمبر